باب 3

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

(حصہ اوّل)

سوانح حیات

غوث المعظم رہبر اعظم طریقت نسبت رسولی ﷺ

اعلیٰ حضرت الحاج پیر **نظیر احمد** رحمتہ اللہ علیہ

المعروف بہ سرکار موہڑویؒ

دربارِ عالیہ موہڑہ شریف۔ تحصیل مری۔ ضلع راولپنڈی

پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

1	تاریخ کے آئینے میں	62
2	سوانح حیات کی اہمیت	63
3	بچپن اور تعلیم کا آغاز	63
4	مجاہدانہ فنون کی تربیت	64
5	کہیاں شریف کی حاضری	65
6	دربارِ عالیہ کہیاں شریف کی کیفیات	66
7	قبلۂ عالمؒ کی خدمتِ عالیہ میں حاضری	68
8	اخوند محمد کبیر صاحبؒ	69
9	عقدِ اوّل	71
10	عقدِ ثانی	72
11	مہاراجہ کشمیر کے ساتھ مراسم	72
12	مولوی صاحب گورداسپوری	75
13	جنوں کی حقیقت اور چند واقعات	77
14	ہمزاد کی حقیقت	81
15	مؤکلات	82
16	اضمار	82
17	نصابِ جفر	83
18	ساعات اوقات کے خواص اور اسمائے الٰہی کے خواص	83
19	اسمائے الٰہی و آیاتِ قرآنی مخصوصہ کے حقائق و خصائص	83
20	اورادِ نظیریہ کی ترتیب	84
21	اجابتِ دعا	85
22	بلعم باعور	86
23	حقیقت الحسیب	89
24	موٹر گرنے کا واقعہ	90
25	دقیق علوم کی تکمیل	92
26	حضرت مولانا غلام کبریا خان صاحب بہاریؒ	93
27	حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ	94

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
28	استاد صاحبان	98	39	حضرت غوث الامتؒ کا مقام	121
29	حقیقت مذاہب	99	40	حضرت غوث الاعظم کی تصنیف	124
30	اپنی نسبت اور جذبہ کو مخفی رکھنا	100	41	وسعت علم	124
31	حقیقت علوم	101	42	انا عند ظن عبدی بی:	126
32	اسلام کا دوسرے ادیان سے تقابل	101		چند مثالیں	
33	لاٹ پادری لاہور اور مسٹر گریفن	102	43	سرہند شریف کی حاضری	133
	کا واقعہ		44	صلاحیت حال اور صلاحیت نفس کی	135
34	جنرل برڈوڈ (Bird Wood)	105		ضرورت	
35	استدراجی علوم	107	45	ولی اللہ کی خدمت میں حاضری	136
36	اقوام گکھڑ اور راجپوت کی اصلاح	107	46	مولوی صاحب کا واقعہ	137
37	اہلِ حدیث علماء کے ساتھ مناظرہ	114	47	غلط پیر کی رہنمائی	137
38	چلّہ کشی یا جنگل نشینی	116			

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غوث المعظم اعلیٰ حضرت پیر نظیر احمدؒ تاریخ کے آئینے میں

1880ء	ولادت باسعادت
1885ء تا 1892ء	ابتدائی تعلیم
1892ء	گھیاں شریف کی حاضری
1894ء تا 1906ء	حالت جذب
1912ء	پیرولی عہد کا خطاب
1925ء	دستار بندی برائے سجادگی
1930ء تا 1935ء	علاقہ یاغستان میں بادشاہت، گورنر پشاور پیئر ز کی ہلاکت اور گورنر پشاور گرفتھ اور صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی مخالفت
1934ء	بادشاہت کو ترک کردیا
1935ء	مسجد شہید گنج لاہور کا تنازعہ
1935ء	جنرل وگرم کی مخالفت اور اس کا انجام
1936ء	سرہند شریف میں قیام اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینے کا خواب
1936ء	شہزادہ ہارون الرشید کی ولادت باسعادت
1939ء	ہندوستان میں بھوپال، حیدرآباد دکن، ترچناپلی اور دہلی وغیرہ کا سفر
1940ء	قائداعظمؒ سے دہلی میں ملاقات
1943ء	حضرت غوث الامتؒ کا وصال اور اعلیٰ حضرت غوث المعظم سجادہ نشین مقرر ہوئے
1958ء	حج پر تشریف لے گئے
22 جولائی 1960ء	علالت اور وصال شریف
28 اگست 1960ء	حضرت غوث المعظمؒ کا چہلم اور غوث الزماں قطب دوراں شیر شاہ غازی حضرت پیر **ہارون الرشید** صاحب مدّ ظلّہ العالی سجادہ نشین مقرر ہوئے

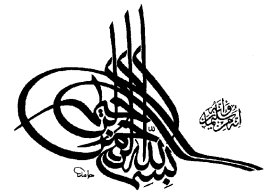

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿البقرة:32﴾

''تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک تو دانا اور حکمت والا ہے''

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ غوث المعظم اعلیٰ حضرت الحاج پیر نظیر احمدؒ نے اپنی مقدس زندگی کے حالات اور واقعات از خود قلم بند فرمائے اور یہ قلمی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ جو درجِ ذیل ہیں۔ (مؤلف)

سوانح حیات کی اہمیت

ایک طویل داستان کو مختصر کر کے لکھا جاتا ہے۔ اس تحریر سے فقط یہی مدعا نہیں بلکہ اس کا ہر پہلو اور اس شخص کے لئے جس کی چشم بینا ہے ایک کتاب ''دین و دنیا کے مالک'' کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ ہے۔ خصوصاً میری زندگی کا ہر پہلو سبق آموز ہے۔ لہذا اس مجموعہ کی صرف ایک ہی جزو پر خیال کو مقید کرنا حماقت اور محرومی کا سبب ہے۔ اس کے تمام اجزاء توجہ طلب ہیں۔

بچپن اور تعلیم کا آغاز

ہماری تعلیم کا آغاز اُردو اور فارسی سے ہوا۔ سردار حیات اللہ خان صاحب پڑہنہ تحصیل کوہ مری جو اعلیٰ حضرت پیر صاحب (والدمؒ) کے ابتدائی مرید اور محبّ تھے اور نہایت اللہ والے آدمی تھے۔ انہوں نے

حضور پیر صاحب (والدمؒ) کو ہماری تعلیم کا آغاز کرنے کا مشورہ دیا۔ان دنوں سکول اور مدرسے نہ تھے اور جو چند مدرسے انگریزوں نے جاری کیے تھے ان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے لوگ اپنے بچوں کو نہیں بھیجتے تھے کیونکہ انہیں ان مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے سے سخت نفرت تھی۔ وہ انہیں اسلام کے خلاف سمجھتے تھے البتہ مسجدوں میں مکتب جاری تھے۔

سردار حیات اللہ خان صاحب نے ایک ایسا عالم تلاش کیا جو تحصیل مری میں اونچا مرتبہ علمی رکھتے تھے۔ان کا نام مولوی فضل داد صاحب تھا۔اس علاقہ میں سرکاری مدرسے جاری ہونے سے قبل کے زمانہ کے کم و بیش تمام تعلیم یافتہ لوگ اِنہی کے شاگرد تھے۔چنانچہ سردار حیات اللہ خان صاحب ان کو پیر صاحب کی خدمت میں ہمراہ لائے اور موہڑہ شریف میں ہماری تعلیم کے لئے مقرر کیا۔مولوی صاحب مذکور نے باوجود ضعیفی کے ہماری ابتدائی تعلیم پر خوب توجہ دی اور تھوڑے عرصے میں ہی اُردو، فارسی اور اسلامی امور کی ضروری تعلیم دی اور حصولِ تعلیم کا شوق اور ولولہ پیدا کیا۔

ان کے بعد مولوی غلام رسول صاحب سکنہ چمنکہ ضلع ہزارہ نے ہمیں عربی صرف و نحو، فقہ اور فارسی نظم پڑھائی۔

ان کے بعد حافظ غلام محمد صاحب کیمبل پوری نے فارسی کی اہم کتابوں کی تعلیم دی اور ان کے بعد متفرق علماء تشریف لاتے رہے اور موہڑہ شریف میں قیام رکھ کر ہم کو تفسیر اور علم حدیث کی تعلیم دیتے رہے۔

ان کے بعد مولوی غلام رسول صاحب چمنکه والوں سے فقہ شریف، منیۃ المصلی، قدوری، شرح الیاس، کبیری، شرح وقایہ، ہدایہ، کنز الدقائق، صرف ونحو، ابواب الصرف، زنجانی، کھیوالی، مراح الارواح، گلستان، بوستان، یوسف زلیخا، سکندر نامہٗ اور تفسیر القرآن اور حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی۔

مجاہدانہ فنون کی تربیت

میں نے فنِ شہسواری سیکھا۔ نیزہ بازی اور تلوار سے لیموں کاٹنا وغیرہ خوب سیکھا اور فنِ شہسواری میں کمال حاصل کیا۔ بلکہ گھوڑوں کے امراض اور ان کے علاج سے بھی پوری واقفیت علمی اور عملی حاصل کی۔ بہت مدت گزرنے کے بعد یہ راز منکشف ہوا کہ ایسا کرنا میرے لئے کیوں ضروری تھا۔دو واقعات نے اس کی اہمیت واضح کر دی۔

1۔ ایک دفعہ گلی شریف چکوال جانے کا اتفاق ہوا۔ جب اسٹیشن پر پہنچے تو بہت سے لوگ استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے اور ساتھ ایک بہت خوبصورت گھوڑا لائے تھے۔سائیں فضل حسین بھون والے اور دو آدمیوں نے سخت لگام

سے پکڑا ہوا تھا اور مجھے کہا کہ یہ آپ کی سواری کے لئے لایا گیا ہے۔ میں نے اسے چھوڑ کر دوسرے کو منظور کیا۔ جب ہم ڈیرے پر پہنچے تو ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ آپ نے وہ گھوڑا کیوں منظور نہ کیا۔ میں نے کہا کہ میری مرضی۔ اس نے کہا کہ وہ گھوڑا بالکل نیا تھا۔ کبھی اس پر زین نہیں ڈالی گئی تھی۔ آج پہلی دفعہ زین ڈالی گئی۔ وہ سواری سے نا آشنا تھا اور اتنا منہ زور اور شرارتی کہ اگر آپ اس پر سوار ہو جاتے تو ہرگز زندہ نہ رہتے۔ شیعہ لوگوں نے یہ تجویز کی تھی کہ اس گھوڑے پر سوار ہوتے ہی آپ ہلاک ہوں گے اور خوب تماشا ہوگا۔ ہمارے فقیر صاحب کا یہ خیال تھا کہ پیر صاحب کی کرامت سے گھوڑا خود بخود چپکا ہو جائے گا مگر آپ یا تو کرامت اور کشف سے سمجھ گئے یا آپ بہت زیادہ تجربہ کار ہیں۔

2۔ دوسری دفعہ چچا وطنی سے ایک شخص سواری کے لئے گھوڑا لایا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ یہ چھوٹی عمر کا ہے اور سواری سکھلایا ہوا نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے کہا ہاں بے شک۔ اس پر اب تک کوئی شخص سوار نہیں ہوا۔ میں بہت دور سے اس واسطے لایا ہوں کہ پیر صاحب خود اس پر پہلی سواری کریں اور آپ کی کرامت کی وجہ سے یہ خاموش ہو جائے گا۔

الغرض اگر گھوڑوں کا تجربہ نہ ہوتا تو جان کی ہلاکت اور ندامت یقینی تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت صاحب روپڑ شریف والے اسی طرح فوت ہوئے۔ تجربہ، سمجھ اور واقفیت عجیب دولت ہے۔

کہّیاں شریف کی حاضری

اعلیٰ حضرت غوث الامت پیر صاحب (والدمؒ) کا دستور تھا کہ جب تک حضور قبلۂ عالم سرکار طریقت حضرت خواجہ نظام الدینؒ (حضور باوا جیؒ) کہّیاں شریف میں حیات تھے وہ ان کی خدمت میں حاضری کے لئے اکثر تشریف لے جاتے۔ سالانہ عرس شریف کی حاضری لازمی تھی۔ یہ مقام آزاد کشمیر میں ضلع مظفر آباد کی تحصیل کنڈل شاہی وادی نیلم میں واقع ہے۔

غوث الامت (والدمؒ) نے 1892ء میں جب میری عمر 12 سال تھی کہّیاں شریف حاضری کا ارادہ کیا۔ اس سفر پر مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ کہّیاں شریف جانے کا راستہ اُس زمانہ میں سخت دشوار گزار تھا۔ بے شمار لوگ نہایت عشق اور شوق سے جاتے تھے بلکہ بعض حالتِ وجد میں ہی جاتے تھے۔ ان لوگوں کو کسی طرح سے جسمانی آرام کا ہوش نہیں ہوتا تھا۔ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو بیس بیس دن تک متواتر سفر میں رہتے تھے۔ ان لوگوں کے حالات لکھنے کے لئے علیحدہ کتاب درکار ہے۔

الغرض ہم لوگ دربارِ مقدس میں حاضر ہوئے اور نہایت تھوڑا وقت دربار میں بیٹھنے کا حاصل ہوا۔ اس کے بعد ڈیروں میں قیام کیا۔ حضرت قبلۂ عالم باوا جی کیانویؒ طویل القامت تھے۔ ہزاروں آدمی اگر کھڑے ہوں تو ان کا وجود مسعود علیحدہ اور نمایاں نظر آتا تھا اور لوگ ان کے سامنے چھوٹے بچے نظر آتے تھے۔ کشادہ پیشانی، سفید گلابی رنگ، برگ گل کی طرح خوبصورت اور جسم مبارک اور چھاتی بہت کشادہ موافق قد مبارک تھا۔ ناک لمبی اونچی، آنکھیں سیاہ اور دلکش۔ وسعت جسم اس قدر تھی کہ پانچ چھ آدمی اکٹھے سینہ سے لگ کر ملتے تھے۔ اکثر لوگ سینہ مبارک سے چمٹتے تھے جیسے مرغی کے بچے مرغی کے سینہ سے۔ ہاتھ بہت چوڑے، انگلیاں لمبی اور نازک اور بالوں کا رنگ سیاہی مائل تھا سفید نہ تھا۔ داڑھی مبارک بہت لمبی نہ تھی، مناسب مقدار تھی بلکہ گھنی اور پتلی بھی نہ تھی، میانہ درجہ کی تھی۔ کسی قدر لمبائی پر تھی۔ سر پر بال گیسو نہ تھے۔ ایک روئی دار بتیاں والی ٹوپی سر پر ہوتی تھی۔ قمیض کی آستینیں بہت لمبی اور بہت کشادہ ہوتی تھیں۔ اگر کسی وقت تبسم فرماتے تو انگلیوں میں آستین پکڑ کر فوراً دانتوں کو پوشیدہ کرنے کے لئے منہ کے آگے رکھ لیتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے دانت یا منہ کے اندر دیکھا ہو۔ ایسا کوئی نہ تھا جو ان کے چہرہ مبارک کو نظر بھر کر دیکھ سکتا خصوصاً جب وہ بھی اس کی طرف نظر کریں۔ واقعہ ہے کہ مانسہرہ، چھٹی ڈیری، خان علی گوہر خان کے والد جمعہ خان نے اپنے دوستوں سے شرط لگائی کہ اگر کوئی شخص قبلۂ عالم حضرت کیانویؒ کو نظر بھر کر ان کے چہرہ مبارک دیکھے تو اسے پانچ صدر روپیہ انعام دوں گا۔ یعنی اس وقت دیکھے جب وہ بھی اس کی طرف نظر کر کے دیکھیں۔ مگر کوئی شخص بھی نہ دیکھ سکا۔ جب ان کی نگاہ دوسری طرف ہو تو آدمی آنکھیں چرا کر دیکھ سکتا تھا۔

ان کا جذبہ اور جوش، حسنِ یوسفی، رعب اور نوری وقار اس طرح تھا کہ کسی کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ یہ انسانی وجود ہے۔ بلکہ کوئی نوری جسم اور خدائی وقار کا مجسمہ تھا۔ صحیح عمر کا اندازہ مشکل تھا غالباً 160 سال کے قریب تھی۔

دربار عالیہ کہیاں شریف کی کیفیات

دربار عموماً باہر ہوتا تھا۔ ایک تخت لکڑی کا جو تقریباً دس فٹ مربع تھا۔ جب حضور قبلۂ عالمؒ اس پر تشریف فرما ہوتے تو وہ چھوٹا معلوم ہوتا تھا۔ اس تخت کے ارد گرد لوگوں کو بیٹھنے یا آرام کا خیال نہ ہوتا تھا۔ ہر شخص عالمِ تحیر اور اضطراب میں ہوتا اور لیلتہ القدر کی طرح آرزوئے اظہار میں ہوتا تھا مگر رعب کی وجہ سے لب کشائی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

دربار شریف کی مجلس کے کنارے پر ایک شخص اردلی کی طرح کھڑا رہتا تھا جس کے ہاتھ میں چھوٹی سی کات (قینچی) ہوتی تھی۔ اس کے پاس سے لوگ گزر کر آتے تھے۔ وہ ہر شخص کو بغور ملاحظہ کرتا رہتا تھا۔ جس شخص کی

مونچھیں بڑی ہوں اس کو پکڑ لیتا اور فوراً اس کات سے کاٹ دیتا۔ اگر اسے حقہ یا نسوار کا شک ہوتا تو اس کو واپس کر دیتا تھا۔ مجلس میں ایک عجیب نظارہ ہوتا تھا۔ مخلوق بے جان گویا تصویر کی طرح خاموش ہوتی تھی۔ حاضرین ہر قسم کی تکلیف کی فریاد لے کر حاضرِ خدمت ہوتے۔ بڑے لوگ بڑی اغراض لے کر آتے اور چھوٹے درجہ کے لوگ چھوٹی اغراض لے کر آتے تھے۔ خدا کی رحمت کا دربار سمجھ کر ہر ایک اپنے مدعا کے لئے حاضر ہوتا تھا۔

خداوندِ کریم نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور سب کا درد، غم اور خواہشات اپنے قبضہ میں رکھے ہیں۔ ہر وہ انسان جو تمام دنیا میں اپنی حکومت پیدا کرنے کا خواہشمند ہے وہ بڑے مدعا کے حاصل کرنے میں بے تابانہ بارگاہِ الٰہی میں رجوع کرتا ہے۔ اسی طرح وہ انسان جو رات دن کے گزارۂ نان کے لئے حیران و پریشان ہے وہ بھی خدا ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اختیاری طور پر بھی اور اضطراری طور پر بھی خدا ہی کی طرف فریاد جاتی ہے۔

اسی طرح ہر قسم کا انسان اپنی اعلیٰ اور ادنیٰ حاجت کو دل میں رکھ کر اس نائبِ رسولﷺ مظہر قدرتِ الٰہی کی طرف جاتا تھا اور ہر شخص اپنے جوشِ غم میں عرض بھی کرتا تھا۔ مگر تعجب اس امر پر ہے کہ نہ تو عرض کرنے والے کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ دعا فرمائی جائے اور نہ ہی حضورؒ نے کبھی کسی کے حق میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ ہرگز اس کا ثبوت نہیں ملا۔ عرض کرنے والے کے خیال میں بھی مطلق عرض کرنا ہی دعا مقصود ہوتا اور حضور والاؒ کی طرف سے بھی اس مدعا کی منظوری یا نامنظوری کا اظہار ہو جاتا تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ قاضی محمد یوسف صاحب (جو مدت تک دربارِ اقدس میں قاضی مقرر رہے تھے) سے پوچھا گیا کہ آپ نے بڑا زمانہ دربار شریف میں گزارا مگر ایسے کام جو خلافِ قیاس لوگوں کے ہوتے رہے یا کرامات کا وقتاً فوقتاً اظہار ہوتا رہا ہے ان کو کتاب کی صورت میں لکھتے رہتے تو کیا اچھا ہوتا تو قاضی صاحب موصوف نے تبسم فرمایا۔ جناب یہ کتاب اور یاد داشت وہاں ہوا کرتی ہے جہاں ایسی بات کبھی کبھی ظہور میں آئے وہاں تو بحرِ کرامت تھا۔ ہر کام ظہورِ کرامت تھا۔ ہر لحظہ ہر واقعہ دریائے نور موجزن تھا۔ بشریت تو مفقود تھی۔ وہ نور ہی نور تھا۔ وہ حالات لکھنے امکان سے باہر تھے۔ ہر وقت دریائے نور موجزن تھا۔ کس طرح دریا کی حرکات یا لہریں تحریر میں آ سکتی تھیں۔ جو لوگ حضور میں رہتے تھے وہ اسی نشہ اور مدہوشی میں رہتے تھے۔ جو نااہل تھے وہ جانوروں کی طرح وقت بسر کرتے تھے۔ دنیا میں یہ رواج ہے کہ لوگ کسی بزرگ یا خدا کا نام سن کر وہاں جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وقت فرصت کا ملے اور وہ اپنی عرض پیش کر دیں اور دعا کرائیں۔ دعا کے بعد بھی اظہار آرزو کے لئے تکلیف کرتے رہتے ہیں۔ بعض اس کے لئے وظائف پڑھنے اور دعا مانگنے کی اجازت طلب کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اپنے ہاتھ مبارک سے ایک تعویز بھی لکھ کر عطا فرما دیں اور پھر اسی مدعا کے لئے کئی دفعہ جاتے رہتے ہیں۔ کبھی تو مراد پوری ہو جاتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ مرید صاحب اور

پیر صاحب دونوں دعائیں کرتے رہتے ہیں اور متفکر رہتے ہیں۔ مگر اس دربار رحمت الٰہی میں یہ کام نہ تھے۔ ہر شخص اپنے مدعا کی بے تابی میں وہاں پہنچتا تھا۔ عموماً وہاں پہنچنا ہی کافی ہوتا یا عرض کرنا ہی عین کامیابی مقصود ہوتا۔ جس طرح پیاسا دریا پر پہنچ کر پانی کی کیا درخواست کرے گا اور یہ بھی کسی کو خیال نہیں آتا تھا کہ میری عرض منظور ہوئی یا نہ ہوئی۔ بلکہ وہاں پہنچنا اور عرض کرنا ہی کامیابی اور منظوری تھی۔ یہی میسر ہونا مقصود ہوتا تھا۔ ہر انسان کا یہی یقین ہوتا تھا کہ میں نے جو عرض کی ہے بارگاہ الٰہی میں کر دی ہے اور وہ رَد نہیں ہوئی۔ گویا یہ سرکار رحمت الٰہی کا دروازہ تھی۔

قبلۂ عالمؒ کی خدمت عالیہ میں حاضری

الغرض جب ہم لوگ ڈیروں پر پہنچے تو رات ہوگئی۔ نماز اور کھانے سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ آرام کے لئے لیٹ گئے تو رات کے وقت غوث الامت (والدمؒ) نے مجھے اٹھایا اور صبح کی ملاقات کے آداب سمجھانے شروع کیے اور اس طرح ذہن نشین کرائے کہ اگر حضور صاحبزادہ صاحب جہاں کہیں ملیں تو اس طرح ملنا اور اگر یہ سوال کریں تو ایسا جواب دینا اور اعلیٰ حضرت سرکار کیانویؒ اگر یہ حکم دیں تو اس طرح عرض کرنا اور یہ طریقہ آداب اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ۔ الغرض صبح جو کچھ پیش ہونے والا تھا وہ جناب والدم پیر صاحبؒ نے اختصار کے ساتھ سب کچھ سمجھا دیا۔

صبح نماز سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر بعد ایک شخص آیا اور کہا کہ آپ کو حضرت صاحبزادہ صاحب نے بلایا ہے چنانچہ میں حاضری کے لئے گیا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک دو منزلہ کشادہ مکان تھا اس کے آگے صحن تھا اس میں حضرت قبلہ بڑے صاحبزادہ صاحبؒ کھڑے تھے اور چند آدمی ان کے ساتھ پیچھے غلامی میں کھڑے تھے۔ دو گھوڑے نہایت خوبصورت وہاں موجود تھے۔ ایک سیاہ رنگ اور دوسرا سرخ رنگ۔

حضرت قبلہ صاحبزادہ صاحب نے بلا کر مجھے فرمایا کہ حضور سرکار کیانویؒ نے حکم دیا ہے کہ یہ تین صد روپیہ نقدی اور دو گھوڑے آپ کو بطور خلعت عطا کیے جائیں۔ آپ منظور کریں۔ میں نے عرض کیا کہ آپؒ کی عطا اور کرم مجھے منظور ہے اور فوراً جا کر گھوڑوں کے پاؤں پر بوسہ دیا اور عرض کیا کہ گھوڑے عالی سرکار کیانویؒ کے ہمارے کے لئے واجب التعظیم ہیں۔ آپؒ اپنے طریقہ سے عطا کریں۔ ہم کو آپؒ کی عطا اور نوازش منظور ہے مگر اصلی طریقہ سے دیں۔ کئی دفعہ ارشاد فرمایا مگر میری طرف سے یہی جواب تھا۔ آخر حضور صاحبزادہ صاحب اس مکان کی اوپر والی منزل میں چلے گئے اور حضور کیانوی سرکارؒ سے عرض کی کہ وہ اس طرح گزارش کرتے ہیں۔ دوبارہ حکم صادر ہوا۔ میں نے وہی جواب دیا پھر حضور صاحبزادہ صاحب اوپر چلے گئے۔ آخر حضور کیانوی سرکارؒ نے حکم دیا کہ اس کو اوپر میرے پاس بلایا جائے۔ چنانچہ میں اوپر گیا۔ ایک کشادہ مکان تھا۔ اس کے درمیان ایک بڑی چارپائی پر آپؒ نشست فرما تھے۔ فوراً ایک شخص کو حکم دیا کہ ایک چارپائی بچھاؤ۔ اس نے چارپائی بچھائی۔ حکم ہوا اس چارپائی پر بیٹھو۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ یہ سوئے ادب ہے۔

پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ پٹو پشمینہ (ریشمی کمبل) زمین پر بچھا دے۔اس نے بچھایا۔آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر بیٹھو۔ میں نے وہ پٹو اٹھا دیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔آپؒ نے فرمایا یہ پٹو تو آپ کے خادم کا ہے ہمارا نہیں (یہ اس طرف اشارہ تھا کہ حضور پیر (والدمؒ) نے اپنے دو خادم کہیاں شریف میں مقرر کر رکھے تھے جو خدمت لنگر میں مصروف رہتے تھے اور یہ پٹو اس ایک خادم کا تھا) میں نے جواب دیا اب یہ بھی ہمارے لئے جائے ادب ہے ہم خود ان کے خادم ہیں۔اس کے بعد کیا نوی سرکارؒ کو ایک جوشِ کریمی آیا چہرہ سرخ ہو گیا اور مجھ کو اتنا یاد ہے کہ مجھے پکڑ کر اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا اور فرمایا کہ اس جگہ بیٹھو گے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں اس جگہ بیٹھوں گا۔ یہ اصلی ہماری جگہ ہے۔اس کے بعد گود میں بٹھا کر بیعت کیا۔بخوبی یاد ہے کہ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے منہ پر پھیرا دوسری دفعہ۔تیسری دفعہ۔اسی طرح سات بار پھیرا اور فرمایا کہ ''سات پشت بلا مشقت اولیاء'' اور اس وقت آپ کے آنسو بھی گرے اور میرے چہرے پر آ پڑے۔مجھ کو خوب یاد ہے یہ ارشاد فرما کر اٹھایا اور فرمایا 'چلے جاؤ'۔حضرت غوث الامت (والدمؒ) جو پاس کھڑے تھے ان سے فرمایا کہ باقی تمام آپ کے خلیفہ ہیں مگر یہ ہمارا خلیفہ ہے۔اور بھی چند ضروری ہدایات دیں۔میری عجیب کیفیت تھی۔مجھ کو اتنا یاد ہے کہ میں فوراً اس کے بعد روانہ ہو کر دوڑتا ہوا ندی کے کنارے پہنچ کر انتظار کرنے لگا۔دیر کے بعد دوسرے لوگ آئے اور پھر وہاں سے واپسی کے لئے روانہ ہو گئے۔

القصہ درگاہ عرش اشتباہ کہیاں شریف سے واپس ہو کر حدیث شریف،صرف ونحو اور فقہ شریف کی تعلیم کی تکمیل میں مصروف ہوا اور سلسلہ عبادت میں زیادہ توجہ رکھی پھر جنگل نشینی اختیار کر لی۔اکثر ہفتہ بھر کا روزہ ہوتا ایک دن صرف اتوار کو روٹی سے افطار کرتا ورنہ باقی دن صرف چائے یا قہوہ سے گزارا ہوتا۔عرصہ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جنگل کی چلّہ کشی ختم ہوئی۔ یہ تقریباً بارہ سال کا عرصہ تھا۔

اخوند محمد کبیر صاحبؒ

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ کہیاں شریف سے واپس آنے کے بعد سلسلہ عبادت غیر معمولی طور پر قائم کیا۔ زہد کی طرف میلان بڑھا بلکہ تقشّف اختیار کیا گیا۔اس صورت سے حضرت غوث الامت (والدمؒ) کو سخت رنج ہوا اور بارہا مجھ کو عبادت سے منع کیا۔ جبکہ نصیحت کا اثر نہ ہوا اور طریقہ زہد وتقشّف اختیار کرنے پر رغبت زیادہ ہوئی تو پیر صاحب والدمؒ سے کسی نے گفتگو کی کہ ان کی شادی کر دی جائے تو حال میں تبدیلی آ جائے گی۔

اس تجویز کے بعد تھوڑا عرصہ گزرا تو ایک بزرگ تشریف لائے جن کا نام **اخوند محمد کبیر صاحب** ؒ تھا۔وہ بہت بے نفس اور مجذوب حال تھے۔ان کا علم،عبادت،دنیا داری سب مجذوبیت کے اندر داخل تھی۔ان کے حالات سے

مری کے علاقہ میں اکثر لوگ واقف تھے۔ یہ موضع پوٹھہ شریف میں رہتے تھے اور علاقہ میں گھومتے بھی تھے۔ اکثر لوگ ان کی بددعا سے ڈرتے تھے اور یہ امر مشہور تھا کہ ان کی بددعا فوراً اثر کرتی تھی۔ ان کی دعا کی قبولیت کا ثبوت یا ذکر کم مشہور تھا۔ ان کے متعلق چند واقعات لکھنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

1۔ موضع وگہل ستیاں میں تشریف لے گئے۔ وہاں مولوی فتح محمد خان صاحب کے گھر مقیم تھے۔ اکثر لوگ دعا کے لئے آتے تھے ایک عورت اس گاؤں وگہل کی آئی اور ایک برتن میں دودھ لائی۔ اخوند صاحب نے پوچھا کیا لائی ہے؟ اس نے کہا آپ کے لئے دودھ لائی ہوں۔ پھر انہوں نے حکم دیا کہ دودھ پیالے میں ڈال کر دو میں پی لوں۔ اس عورت نے دودھ پیالے میں ڈال کر دیا۔ اخوند صاحب نے تھوڑا سا دودھ پی کر سب گرا دیا اور خفا ہو کر کہا یہ دودھ کھٹا ہے میٹھا نہیں ہے۔ اس عورت نے عرض کیا کہ اس بھینس کا دودھ خراب ہے اسی واسطے آپ کے پاس لائی ہوں کہ بھینس کا دودھ ٹھیک ہو جائے۔ یہ سن کر اخوند صاحب نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یا اللہ اس بھینس کو دنیا سے نابود کر اور مار ڈال اس کا دودھ کھٹا ہے۔ وہ عورت خفا ہو گئی اور چلی گئی۔ نصف میل کے قریب اس کا گھر تھا جب گھر پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ بھینس کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ان کی دعا کے تھوڑی دیر کے بعد بھینس کی زندگی ختم ہو گئی۔

2۔ اس علاقہ پوٹھو کہوٹی اور کہوٹی کے جنگلات کی حفاظت کے لئے ایک سپاہی تھا۔ اخوند صاحب اس کی طرف آئے۔ لوگوں نے ایک مکان صاف کر کے ان کی چارپائی بچھائی اور ان کا بستر کر دیا۔ اخوند صاحب بستر سے اٹھے اور نماز کے لئے چلے گئے۔ اس کے بعد وہ جنگل کا محافظ گارڈ آ گیا۔ لوگوں میں سپاہی کی بہت عزت ہوتی ہے کیونکہ ہر وقت جنگل سے لکڑی حاصل کرتے رہتے ہیں اور یہ جنگل کے سپاہی سے ملی بھگت سے ہوتا ہے۔ سپاہی نے کہا میں اس مکان میں اس بستر پر سو جاؤں گا۔ لوگوں نے بہت کوشش سے اس کو سمجھایا کہ یہ بستر فقیر صاحب کا ہے۔ وہ بہت سخت طبیعت ہیں۔ تم دوسرے بستر پر سو جاؤ دوسرے مکان میں تمہارے لئے بستر تیار ہے مگر وہ نہ مانا اور زبردستی اس بستر پر سو گیا۔ جب فقیر صاحب واپس آئے تو لوگوں نے انہیں کہا کہ آپ دوسرے بستر پر سو جائیں وہ سپاہی بے سمجھ ہے وہ سو گیا ہے۔ انہوں نے کہا میں نہیں سوتا ہوں اور اس سپاہی کو جا کر جگایا وہ سخت مغرور بدمعاش تھا۔ اس نے ان کو بُرے الفاظ کہے کہ دفع ہو جاؤ۔ بس وہ سن کر چلے گئے اور جا کر مسجد میں بیٹھ گئے۔ لوگوں نے بہت کوشش کی مگر مکان پر نہ آئے اور یہی الفاظ کہتے تھے کہ خدا اس کو موت دیوے تو آؤں گا۔ لوگ واپس آ گئے اور اپنے اپنے گھروں میں سو گئے۔ نصف رات سے تھوڑا زیادہ وقت گزرا ہوگا کہ وہ سپاہی باہر جا کر پیشاب کرنے لگا تو اسی جگہ اس نے فریاد شروع کر دی کہ میں مر گیا اور میں جل گیا۔ لوگ دوڑ کر آئے۔ اس کو دیکھا تو آگ وغیرہ

نہیں ہے مگر وہ خراب حالت میں ہے اور روتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ اس مسجد سے زور کی آگ آئی اور مجھ کو اس نے جلا دیا۔ ظاہراً کوئی آگ نہ تھی لوگوں نے اسے اُٹھا کر چارپائی پر لٹایا اور اس کی روح نکل گئی۔ اب لوگوں نے بہت تشویش کی۔ ان کے پاس گئے۔ وہ مکان میں نہیں آتے تھے سب لوگوں نے گواہی دی کہ وہ مر گیا ہے۔ تب پھر آئے دیکھا تو وہ مرا ہوا تھا۔

3۔ ایک دفعہ چٹا موڑ سنی بینک سے ایک آدمی ان کے پاس آیا۔ ان کو دعا کے لئے راضی کیا۔ کوئی عمدہ چیز کھا کر راضی ہو جاتے تھے۔ اس سے پوچھا تو کیا مانگتا ہے اس نے کہا ایک انگریز ہے اس کا نام سینی صاحب ہے وہ مجھ کو سخت تنگ کرتا ہے اور بے عزتی کرتا ہے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا آپ کے پاس فریاد لے کر آیا ہوں۔ وہ زیادہ تحقیق نہیں کیا کرتے تھے۔ فوراً اس کے حق میں بددعا کی کہ خدا اس کو موت دیوے۔ وہ انگریز روزانہ راولپنڈی جاتا تھا وہاں جا کر کھیلا کرتا تھا اور شام کو واپس آجاتا تھا۔ بانسرہ گلی میں اس کی زمین اور باغیچہ تھا اور بنگلہ بھی تھا۔ اسی ہفتہ راولپنڈی گیا موٹر سائیکل پر جاتا تھا جب واپس آ رہا تھا تو کمپنی کا دو گھوڑوں والا ٹانگہ تیز جا رہا تھا اس انگریز کے سر میں تانگے کا بم لگا اور سر دو ٹکڑے ہو گیا اور وہ مر گیا۔ اس انگریز نے اپنے مرنے کی خواب دیکھی تھی اور زمان خان سکنہ دھار جاوا سے بیان بھی کی تھی۔

عقدِ اوّل

یہ چند حالات ان کی طبیعت کے لکھ دیئے۔ یہ اخوند صاحبؒ موہڑہ شریف آئے۔ جب پہنچے تو پیر صاحب والدؒ نے ان کی بہت خدمت اور تعظیم کی۔ دوسرے دن پیر صاحبؒ کے پاس آ کر کرسی پر بیٹھے اور مجھ کو بلایا اور بہت بڑی پگڑی مجھ کو بندھائی اور کہا میری لڑکی کی لڑکی ہے مولوی محمد یاسین صاحب کی بیٹی ہے وہ میں نے اس کو نکاح میں دے دی ہے۔ حضرت پیر صاحب والدؒ نے خاموشی اختیار کی اور دوسرے دن وہ واپس چلے گئے۔

القصہ یہ شادی ہو گئی مگر چونکہ مجھے بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق غالب تھا اس کے ساتھ ہی عبادت زہد میں مصروفیت زیادہ ہو گئی اس لئے میں اکثر جنگل میں ہی جاتا اور چلّہ کشی کا سلسلہ اختیار رکھتا۔ حضور غوث الامت (والدؒ) نے چند وظائف کا چلّہ جورات کے وقت خلوت میں کئی ہفتے جنگل میں رہ کر پورا کرنا تھا میرے ذمہ لگایا۔ شادی کا معاملہ کچھ عرصے تک تو درست رہا اور ایک بیٹا جس کا نام مبارک خان رکھا تولد ہوا مگر چلّہ کشی کی مصروفیتوں کے باعث مبارک خان کی والدہ نے اپنے والد مولانا محمد یاسین خان صاحب کو بلا بھیجا اور شکایت کی کہ میرے شوہر تو اکثر جنگلوں میں رہتے ہیں نہ تو گھر آتے ہیں اور نہ ہی کوئی اطلاع دیتے ہیں۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اپنے ساتھ لے

جائیں۔ چنانچہ مولانا محمد یاسین خان صاحب اپنی بیٹی کو ساتھ لے گئے اور قطع تعلقی پر اصرار کیا۔ اس طرح ہمارا قطع تعلق ہو گیا اور میں اپنے جنگل نشینی کے مجاہدے میں مشغول رہا۔ یہ 1906ء کا واقعہ ہے۔

عقدِ ثانی

غوث المعظمؒ نے اپنے عقدِ ثانی کا ذکر راقم الحروف سے اختصاراً فرمایا:

''اعلیٰ حضرت کا عقد ثانی 1915ء میں پوٹھوہار (اٹک تا جہلم) کے علاقہ کے گکھڑ قبیلہ کے آخری حکمران سلطان مُقرب خان بادشاہ کی شہزادی سے طے پایا جو اخلاق حسنہ کا پیکر تھیں۔ عبادت و ریاضت سے کمال شغف رکھتی تھیں اور صبر و قناعت سے کامل طور پر بہرہ ور تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دو شہزادے اور پانچ شہزادیاں عطا فرمائیں۔ سب سے بڑے پیر گل بادشاہ صاحب 1917ء میں تولد ہوئے اور سب سے چھوٹے پیر **ہارون الرشید** صاحب کی ولادت باسعادت 1936ء میں ہوئی۔

حضرت پیر **ہارون الرشید** صاحب نے اپنی غیر معمولی فطری استعداد اور والد بزرگوار کی خصوصی توجہ سے دینی اور دنیوی تعلیم کے اعلیٰ مدارج طے کیے۔ چنانچہ غوث المعظمؒ کے 1960ء میں وصال کے بعد مرکزی دربار عالیہ موہڑہ شریف کے سجادہ نشین مقرر ہوئے اور اُس وقت سے نہایت استقامت اور احسن طریقہ سے مخلوق خدا کی خدمت میں مصروف ہیں اور ان کی رہنمائی میں سلسلہ عالیہ نسبت رسولی ﷺ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔

اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ

حضرت مائی صاحبہ کا وصال 1942ء میں ہوا اور ان کی آرام گاہ موہڑہ شریف میں ہے۔ مریدین حاضر ہو کر فاتحہ خوانی اور دعا کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔'' (مؤلف)

مہاراجہ کشمیر کے ساتھ مراسم

مہاراجہ کشمیر پرتاپ سنگھ کے مجسٹریٹ نے ایک شخص کو چھ برس جیل کی سزا دی اس شخص کا نام مصاحب خان قوم سدہن علاقہ بادل کا باشندہ تھا۔ مزید برآں کسی وجہ سے اس کی سزا زیادہ ہو گئی اور اس کو زیادہ نمک کھلانا شروع کر دیا تا کہ مر جائے۔ مصاحب خان کے اقربا سب روتے ہوئے موہڑہ شریف پہنچے اور بہت دردناک فریاد کی۔ حضرت غوث الامت (والدمؒ) کے پاس اس وقت ایک شخص کھڑا تھا جو پنکھا ہلا رہا تھا اسے سائیں پیپے ناڑ کہتے تھے۔ حضرت غوث الامتؒ نے اسے حکم دیا کہ جاؤ مہاراجہ کو بولو کہ اس شخص پر ظلم نہ کرو، اس کو چھوڑ دو اور معاف کر دو خدا تم

کواس کا بدلہ دے گا۔ وہ شخص چلا گیا۔ بالکل جنگلی طرز کا یہ آدمی، کوئی تمیز اور آداب ملاقات نہ جانتا تھا اور نہ ہی ایسے آدمیوں کی ملاقات والیانِ ریاست سے ہوسکتی ہے۔ وہ شخص بارش ہی میں گیا پاؤں میں کیچڑ لگا ہوا تھا اور شاہی محل کے پاس پہنچا۔ کسی سے پوچھا ہی نہیں اور پچھلی طرف سے اندر گھس گیا۔ اندر ملازموں نے پکڑ لیا۔ مہاراجہ کو علم ہوا تو اس نے کہا کہ فقیر کو مارنا نہیں بلکہ ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ جب ان کے سامنے پیش کیا گیا تو پاؤں پر کیچڑ تھا۔ مہاراجہ نے شیر کا چمڑا جو دروازے پر پڑا تھا اس پر بیٹھنے کی اجازت دی اور پوچھا کہ فقیر کیوں بلا اجازت گھس گیا اور کیا مانگتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اجازت کے بغیر نہیں آیا بلکہ اجازت سے آیا کیونکہ سرکار مرشد نے اجازت دی کہ جاؤ اور پیغام دو اس واسطے آ گیا۔ مہاراجہ نے ہنسی سے پوچھا کیا پیغام ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مصاحب خان کو چھوڑ دو معافی بخشو اللہ بدلہ دے گا۔ اپنے دیوان یعنی سیکریٹری کو بلایا۔ ان کو فقیر سے گفتگو کا حکم ہوا۔

موہڑہ شریف کا نام مہاراجہ نے بھی سنا ہوا تھا اس کو شک ہوا کہ کچھ نہ کچھ معاملہ ضرور ہے۔ مہاراجہ نے پچاس روپیہ بخشیش دیئے فقیر نے واپس کر دیئے کہ جو حکم تھا وہ عرج (عرض) کر دیا۔ روپیہ کا حکم نہیں ہے۔ مہاراجہ نے حکم دیا کہ اس کو شاہی مہمان خانہ میں رکھو اور کل پیش کرو۔ مہاراجہ کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ پہلے عرصہ میں امرتسر سے چارسو کے قریب سادھو منگوایا تھا اور شاہی مہمان خانہ میں رسد سرکاری لیکر کھاتے تھے اور بتلاتے تھے کہ مہاراجہ کو ٹکا (فرزند) ہونے والا ہے فلاں تاریخ کو پیدا ہوگا لیکن اس دن لڑکی پیدا ہوگئی۔ اس نے سادھوؤں کو ناراضگی سے واپس کر دیا۔ اب دوسرے دن اس فقیر کو سامنے منگوایا اور پوچھا کہ کیا حکم ہے۔ فقیر نے وہی الفاظ کہے کہ اللہ آپ کو بدلہ دے گا۔ مصاحب خان کو معاف کر کے چھوڑ دو۔ مہاراجہ نے دوسو روپیہ اور ایک کشمیری شال پیش کی کہ جاؤ پیر صاحب کو پیش کرو اور بولو کہ ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔ اس پر فقیر نے پھر عرض کیا کہ سرکار یہ چیز لینے کا حکم نہیں ہوا صرف پیغام دینا تھا اب چھ مہینے کے بعد جاؤں گا۔ اس پر مہاراجہ کو تسلی ہوئی۔ پھر حکم دیا کل پیش کرو۔ تیسرے دن پیش کیا گیا پھر اور تحفے دیئے گئے۔ فقیر نے پھر وہی عرض کر دی۔ پھر مہاراجہ نے حکم دیا اچھا تین دن کے بعد پیش کرو اور سپرنٹنڈنٹ جیل کو وزیر سے حکم لکھوا دیا کہ مصاحب خان کیوں قید ہوا اس کی مسل اور مصاحب خان کو حاضر کرو۔ چنانچہ تیسرے دن حاضر کیے گئے۔ فقیر کو بلایا گیا۔ مہاراجہ نے مصاحب خان کو چھوڑ دیا اور فقیر کے حوالے کر دیا اور کہا کہ تم جاؤ اور پیر صاحب کو عرض کرو کہ مصاحب خان حاضر ہے آپ کے حکم کی تعمیل ہم نے کر دی ہے اب آپ کی مرضی ہے کہ ''اسیں اکلے آئے اور اکلے ہی چلے جائیں۔'' فقیر نے آ کر عرض کر دی۔ پیر صاحب نے دو تعویذ روانہ کر دیئے۔ خدا کی قدرت کہ مہاراجہ کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اب مہاراجہ کا کامل یقین ہو گیا۔ ان لڑکوں کی طبیعت مزاج وغیرہ بتلانے اور دعا کیلئے ہر پندرہ روز کے بعد بڑے آفیسر موہڑہ شریف آتے تھے۔

اب جب وہ لڑکے جوان ہوئے اوران کی شادی کی رسم قریب ہوئی تو مہاراجہ نے کہا ''لڑکے پیر صاحب دے ہین اِنہاں دی شادی اُنہاں ہی کرنی اے۔'' آخروزراء کوموہڑہ شریف روانہ کیا گیااورعرضی لکھی گئی کہ جب تک آپ خود نہ آئیں کوئی شادی نہیں کی جاتی۔ دوسرے تیسرے روز مراسلات اور وزراء آتے۔ آخر غوث الامت (والدمؒ) نے منظور کرلیا کہ ہم کسی لڑکے کوروانہ کریں گے۔ پھر مہاراجہ کو بہت خوشی ہوئی اورخوشی کا اظہاراس طرح کیا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس راجہ محمد اکرم خان اوران کے ماتحت سب انسپکٹر سلیمان خان بمع گھوڑے، خچریں، ملازمان اور کارندگان کوموہڑہ شریف روانہ کیااورحکم دیا کہ صاحب زادہ صاحب کا استقبال ہاتھیوں پر کیا جائے۔ سات ہاتھی استقبال کیلئے روانہ کیےاورجس راستے سے آویں اس علاقہ کی بیگار معاف (اس وقت بیگار کی تکلیف بہت تھی)۔اب حالات معلوم کرکے جناب پیر صاحب (والدمؒ) نے مجھ کو بلا کر دریافت کیا کہ یہاں سے کس طرح جانا چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو نہیں جاتا البتہ ثانی صاحب کوروانہ کردیں اورخاص خلفاء کم ازکم ایک صد ہونے چاہئیں تاکہ اسلامی جماعت کا رعب ہواورراجہ گوروبخش سنگھ پیر سکھان جو بیدی صاحب کے نام سے مشہور ہیں کلر بیدی تحصیل کہوٹہ میں ایک مشہور قصبہ ہے وہ ان کا دارالخلافہ ہے تمام سکھ قوم اس گورو کی مرید ہے۔ ان کو بھی شادی پر مدعو کیا گیا تھا اور تمام والیانِ ریاست اورانگریز بھی جاویں گے اس لئے اسلامی جماعت کا رعب سب سے اعلیٰ ہونا چاہیے۔اس واسطے کم ازکم ایک سوگھڑسوار بھی ہمراہ ہوں اور پیدل جس قدرلوگ جاسکیں اورایک سونیزہ سوار نیزہ بازی کے ماہر ہوں اور نیزے ہمراہ لاویں۔اب یہ کام اس طرح آسان ہوگیا کہ نمبر 17اورنمبر 11رسالہ میں سب گکھڑ تھےاوران دنوں سب گھرآئے ہوئے تھےاس واسطے محمد اشرف خان صاحب نے ان لوگوں سے ایک صد سوار مع نیزہ وغیرہ کےموہڑہ شریف حاضر کئے۔اب میری ہی تجویز پران سواروں کیلئے ایک ہی رنگ کی وردی بنوائی گئی۔ ماسٹر بدردین صاحب نے تیار کرائی۔ اب یہ جماعت جس میں خاص موہڑہ شریف سے سردار قائم خان صاحب، سردار فیروز خان صاحب اورعبدالرحمان پھگواڑی اور چند دوسرے شرفاء بھی تھےاس شان سے گئی کہ والیانِ ریاست حیران تھے۔سب کوشبہ ہوگیا کہ مہاراجہ مسلمان ہوگیا ہےاورنیزہ بازی وغیرہ ہرکام میں یہی جماعت اوّل درجہ کامیاب ہوئی۔سکھوں نےاورجنرل نین سنگھ نے سخت مخالفت کی۔مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراجہ نے حکم دیا کہ ذکر والی جماعت شاہی محل کے اندر لاؤ اورایک دن (ایتھے جکر کرن) یعنی ذکر کریں۔ جب سے مہاراجہ عقیدت مند ہوا وہ ہر مصیبت اور مشکل کی مشاورت اور اذن موہڑہ شریف سے حاصل کرتا تھا۔ان دنوں مہاراجہ کئی دنوں سے مصیبت میں مبتلا تھا کوئی صورت چھٹکارا کی نہ تھی۔اس لئے مہاراجہ نے حکم دیا کہ اب اندر بیٹھ کر ذکر کریں اور دعا کریں چنانچہ سب جماعت گئی اورخوب زور سے ذکر میں مصروف ہوئی مگر ایک شخص اندر نہ گیا اور نہ اس نے ذکر کیا۔اس کا نام غلام رسول تھا۔ یہ باہر کھڑا تھا اورقلعہ کے

دروازے میں کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا ہاتھ سے نیزہ زمین پر مارتا تھا۔ یہ فضول شغل کر رہا تھا اور وقت گزارتا تھا۔ نیزہ مارتے مارتے آواز اس طرح نکلی جس طرح تانبے پر لگے اس نے غور سے نیزہ مار کر جگہ کھودی تو نیچے سے ایک تانبے کی تختی نکل آئی۔ نزدیک پانی تھا اس نے وہ تختی دھو کر پاس رکھ لی۔ اب جس وقت وہ تختی نکلی تھوڑی دیر کے بعد مجلس ذکر باہر آئی۔ تیسرے دن ہملٹن گرانٹ ایجنٹ گورنر جنرل فار انڈین سٹیٹس (ریاستیں اس کے ماتحت تھیں) سے تار آیا کہ مہاراجہ کے مطالبات منظور ہیں اور تمام پابندیاں دور ہو گئیں۔

لوگ سخت حیرت میں تھے کہ یہ کیا راز ہے کیا ذکرِ الٰہی سے اتنا جلدی کام ہوتا ہے مہاراجہ نے اس پر فخر کیا۔ ریاست میں سرکاری دستور تھا کہ جو شخص شادی کرے وہ سات روپیہ کا اشٹام خزانہ سے خریدا کرے گویا یہ سات روپیہ شادی ٹیکس تھا۔ اس کی آمدنی بیس ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ ہماری جماعت کی واپسی پر یہ ٹیکس معاف کر دیا گیا اور کہا کہ ہم پیر صاحب کی سفارش پر یہ معافی دیتے ہیں اور چند دوسرے آدمیوں کی بیگار بھی معاف کر دی جو موہڑہ شریف آنے والے تھے اور لنگر کی ہر چیز پر محصول معاف تھا اور موہڑہ شریف جانور لانے پر پابندی اٹھا دی۔ ہر سال لنگر کی خدمت بھی کرتا تھا۔ الغرض آخر وہ تختی میرے پاس لائی گئی اس پر آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں جو قہر دِشمن کے لئے مخصوص تھیں وہ تعویذ تھا جو دشمن کی تباہی کیلئے لکھا جاتا ہے۔ ذکر کی برکت سے وہ تختی نکل آئی سب حالات درست ہو گئے۔

مہاراجہ کا اور سب بڑے افسروں کا عقیدہ بدرجہا زیادہ ہو گیا۔ اب وہ تختی ایک جگہ ہم نے امانت رکھی۔ تین دن کے اندر ہزار ہا روپے کا نقصان ہو گیا۔ پھر دوسری جگہ رکھی وہاں بھی بہت نقصان ہوا۔ آخر وہ تختی غلام رسول نے اپنے قبضے میں کر لی۔ اس کا ایک دشمن تھا جس کا نام سردار سوجان سنگھ تھا۔ یہ راولپنڈی میں ریلوے آفیسر تھا۔ اس نے وہ تختی اس کے دروازے میں دفن کر دی۔ پندرہ روز کے اندر وہ موقوف ہو گیا اور اس کے لاکھوں روپے کے مکانات فنا ہو گئے اور وہ روپوش ہو کر کوئٹہ چلا گیا۔

مولوی صاحب گورداسپوری

میں اُن ایام میں رات دن میں چالیس ہزار وظیفہ اسمِ ذات اور ایک سو رکعت نفل پڑھتا تھا۔ پیر صاحب (والدؒ) نے زور اور شدت سے منع کیا اور بجائے سو رکعت نفل کے صلوٰۃ التسبیح کا حکم دیا جو جاری کر دی۔ جنگل میں اکیلا جانے سے پیر صاحب منع کرتے تھے۔ ان دنوں جنگل بھی بہت سخت گھنا ہوتا تھا اور خطرناک بھی تھا۔ ایک شخص عبدالرحمٰن رنگ سیاہ، جسم پتلا، زرد رنگ کی پگڑی سر پر رکھتے تھے ان کو مولوی صاحب گورداسپوری کہتے تھے۔ ان کو پیر صاحب نے میری حفاظت کیلئے میرے ساتھ مقرر کر دیا۔ یہ بہت عبادت کرنے والے تھے اور خاموش رہتے تھے۔ آہستہ آہستہ کبھی کبھی مجھ کو نیک مشورہ بھی دیتے تھے۔ ایک رات وہ میرے ہی کمرے میں رہ گئے۔ رات کو میں نے کئی

دفعہ دیکھا تو مولوی صاحب بیٹھے ہوئے نظر آئے۔صبح تک میں انہیں دیکھتا رہا۔صبح میں نے ان سے پوچھا مولوی صاحب آپ رات کو سوتے بالکل نہیں؟ مولوی صاحب نے کہا مجھ کو مدت سے یہ عادت ہوگئی ہے کہ بیٹھے بیٹھے سو جاتا ہوں دراصل معاملہ اسطرح ہے کہ میں جب سے بیعت ہوا تو لیٹ کر نہیں سویا۔اسی طرح ذکر میں ہی نیند پوری کر لیتا ہوں۔ اس کے بعد میرا خیال ان کی طرف منعطف ہوا۔ میں نے ان کی زندگی کے حالات اور موہڑہ شریف آنے کے حالات دریافت کیے تو انہوں نے کہا کہ میں دراصل سکھ تھا اور کوٹ میاں گورداسپور کا باشندہ ہوں۔ میں لڑکا ہی تھا کہ گھر سے نکلا اور کلکتہ چلا گیا۔ وہاں پھرتے پھرتے ایک عورت مجھ کو اپنے گھر لے گئی اور مجھ کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ بہت پرورش کرتی رہی۔ وہ جادوگرنی تھی لوگ اس سے جادو کراتے رہتے تھے میں دیکھتا تھا مجھ کو شوق ہوا اس نے مجھ کو بھی جادو کا علم سکھا دیا بہت قسم کے جادو سکھائے۔

ایک گڑ کی چاکی (ٹکڑہ) پر دم کر کے چاقو سے کاٹ دیا جائے تو آدمی کے کلیجے کے اتنے ہی ٹکڑے ہو جاتے ہیں جتنے گڑ کے ہوں اور سفال آب نا رسیدہ پر جادو کا دم کر کے پھینک دو تو سینکڑوں میل دور آدمی جان سے مر جاتا ہے اور جنّ کی قوم اور جنّوں کو شخصی طور پر تسخیر کرنے کا ظلمانی طریقہ اس نے سکھایا اس طرح کی کئی چیزوں کا ذکر کیا اور کہا کہ میں کلکتہ میں اس بڑھیا کے پاس رہتا تھا تو لوگوں میں مشہور تھا کہ ایک کملی (دیوانی) عورت کلکتہ میں ہے لوگ اس کے پاس جاتے تھے۔ایک دفعہ میں نے بڑھیا سے عرض کیا کہ مجھ کو بھی اجازت دو کہ میں اس کو دیکھ آؤں۔ اس نے آٹھ آنے کے پتاشے لے کر دیئے کہ جاؤ اور یہ پتاشے لے جاؤ۔ میں وہاں گیا اس کملی نے کچھ دیر کے بعد کہا ''موہڑہ شریف'' مگر اس لفظ کی مجھے کچھ سمجھ نہ آئی۔ واپس آیا چھ ماہ کے بعد پھر گیا تو ایک روپے کا سفید لٹھا لے گیا پھر اس کملی (دیوانی) نے حکم دیا ''موہڑہ شریف جاؤ''۔ چنانچہ اب دوبارہ دل میں پنجاب کی طرف جانے کا خیال آ گیا اور میں پوشیدہ طور پر بھاگ کر پنجاب آ گیا۔ لاہور آیا تو وہاں جلّو کے نزدیک ایک فقیر صاحب لکھن شریف مشہور تھے وہاں جا کر ٹھہرا۔ کئی دن کے بعد فقیر صاحب نے کہا کہ اب ہم موہڑہ شریف جائیں گے تو مجھے بھی کملی بڑھیا کا حکم یاد آیا میں نے کہا میں بھی جاؤں گا۔ چنانچہ ان کے ساتھ موہڑہ شریف آیا اور مسلمان ہوا۔ پھر دہلی چلا گیا اور علوم حاصل کر کے کئی سال کے بعد آ کر طریقہ میں بیعت ہوا اور اب مجھ کو خواب میں حکم ہوا کہ آپ کے ساتھ سب حالات ظاہر کر دوں اور آپ کے ساتھ رفاقت پیدا کروں۔

چنانچہ عبدالرحمٰن صاحب نے سب سرگزشت بیان کی اور جو زندگی میں حاصل کیا تھا وہ بھی بیان کیا اور مجھ کو اس حقیقت سے واقف کیا۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جنّ کے معاملات میں اور جادوگری میں کامل تھے میں نے مولوی صاحب سے اس چیز کی حقیقت معلوم کی۔

جنوّں کی حقیقت اور چند واقعات

دراصل جناّت کی ایک قوم ہے جس میں خاص و عام، عالم و جاہل، نیک و بدسب موجود ہیں۔ یہ تخیل اور حقیقت صرف اسلام نے ہی بیان نہیں کی بلکہ اسلام سے ہزار ہا سال پہلے بھی آدمیوں میں یہ چرچا موجود تھا اور دنیا میں جنوّں کی کل آبادی اور حکومت کا ذکر کرنے کیلئے ایک مستقل کتاب چاہیے یہاں صرف یہ معلوم کرنا ہی کافی ہے کہ جو تعریف علوم جنات کی ہے کہ

هُوَ جِسْمٌ نَارِیٌ وَ مُتَشَکِّلٌ بِه اَشْکَالِ الْمُخْتَلِفَهْ

یہ ناری عناصر کے غلبہ میں پیدا شدہ مخلوق ہے اور ہر شکل اختیار کرسکتی ہے اور ہر ملک میں ہر طرف آباد ہے۔ یہ کبھی انسان کو بھی مختلف صورتوں میں نقصان پہنچاتے ہیں کبھی مال کا نقصان، کبھی جان کا نقصان اور کبھی اولاد کا نقصان۔ چونکہ ان کو انسان دیکھ نہیں سکتا جب تک وہ دکھلانا نہ چاہیں اس لئے بدکردار جن نقصان دہ ہوتے ہیں کبھی آدمی کی جان پر بھی اس کا اثر ہوجاتا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے۔

یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴿البقرة : 275﴾

''جیسے کسی کو لپٹ کر دیوانہ بنادیا ہو''

اور کئی دوسرے موقعوں پر جنوّں کی حرکات کا ذکر کیا ہے اور حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں اس کی تفصیل بھی ہے۔

جنوّں کو تابع کرنے کے قانونی دوطریقے ہیں ایک نورانی اور دوسرا ظلمانی۔ نورانی اس طرح کہ اسماء الٰہی اور آیات قرآنی اور اس قسم کے اذکار کی کثرت با طریقہ سے جنوّں پر اثر ہوکر جنّ حاضر ہوتے ہیں اور معاہدہ تابعداری کرتے ہیں نیز ان کی پابندی سے جو جنوّں کے مزاج کا مقتضا ہے اس پر کاربندی سے ان کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے اور انسان ان سے بعض کاموں میں امداد بھی حاصل کرسکتا ہے مگر جنّ اس تابعداری کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے اس عامل سے وہ دشمنی رکھتے ہیں اس کا مال خراب کرتے ہیں اس کی اولاد ضائع کرتے ہیں یا گزند پہنچاتے ہیں اور ایسے واقعات رونما ہوجاتے ہیں کہ انسان کی زندگی خراب ہوجاتی ہے۔

دوسرا طریقہ جنوّں کو قابو کرنے کا ظلمانی طریقہ ہے۔ یہ طریقہ اس طرح ہے کہ اسلام سے پہلے زمانے کے منتر اور ایسے کلمات مرتب شدہ ہیں کہ جن کے باقاعدہ پڑھنے سے جنّ اس عامل کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اور خوش ہو کر حاضر ہوتے ہیں اور خدمات بھی کرتے ہیں اور جو خدمت ان کو بتلائی جائے وہ بجالاتے ہیں۔ یہ طریقے من قبیل جادو

ہیں۔ان کے پڑھنے کے طریقے اور عمل کے تکمیل اور چلّے ایسے ہیں کہ جنّ کی قوم تابع ہوسکتی ہے اور بعض طریقے ایسے ہیں کہ جنوّں کا بادشاہ بھی تابع ہو جاتا ہے۔ان اعمال کے علٰیحدہ علٰیحدہ طریقے ہیں۔ چالیس دن ترک حیوانی کے ساتھ ہر رات کو ویرانہ جنگل میں بیٹھ کر پورا کرتا رہے اثنائے عمل میں سانپ ،اونٹ اور مست ہاتھی وغیرہ مختلف بد صورت شکلوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں مگر عامل ایک لکیر (حصار) اپنے گرد وظیفہ متعینہ پڑھ کر کھینچ لیتا ہے اس لکیر سے اندر کوئی صورت ان کی داخل نہیں ہوتی اگر چہ لکیر کے قریب ہوکر بہت سخت ڈراتے ہیں۔اکثر لوگ اس عمل سے ایسے وقت جان سے بھی مرجاتے ہیں۔ان ہی مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے ایک شخص کو چلّے کی اجازت دے دی۔ وہ گوجر خان کا رہنے والا تھا۔اس بیوقوف نے ایک مکان کی چھت پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھنا شروع کیا۔ایک دن بیٹھا ہوا وظیفہ پڑھ رہا تھا کہ تھوڑی نیند آ گئی اور آنکھیں بند ہوگئیں تو کیا دیکھتا ہے کہ دریا کا پانی تیز آ گیا ہے اور اس کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے تو اس اضطراب میں وہ یہ سوچتا ہے کہ کود کر کشتی پر چڑھ جاؤں۔ جب وہ کودا تو مکان سے نیچے گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس عمل سے توبہ کرلی۔

جب چالیس روز تک روزانہ کا عمل متعینہ پورا ہو جائے تو جنّ اپنی اصلی شکل پر سامنے آویں گے اور سوال کریں گے کہ کیا چاہئے۔اس حد تک پہنچ کر دوسرے دن ایک قینچی لکیر سے باہر رکھ کر وظیفہ پڑھتے رہنا چاہیے جنّ آویں تو ان کو حکم دینا کہ اپنے بدن کے بال کاٹ کر عامل کو دے دیں اور یہ معاہدہ ہو کہ جب بلائے جاویں تو حاضر ہو جائیں گے۔اب حاضر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تنہا جگہ بیٹھ کر وہی معمول کا وظیفہ پڑھے اور سامنے آگ رکھ کر وہ بال آگ کے نزدیک کرے تو جنوّں کا قاصد آجائے گا اس کو جو حکم دیں گے وہ خدمت انجام دے گا مگر جب تک انسان اس عمل کو رکھنا چاہتا ہے وہ اسی اصول کا پابند رہے ورنہ ہر عمل باطل ہو جاتا ہے اس عمل کو پورا کرنا، جاری رکھنا، اسلامی رسولؐ احکام سے خلاف ورزی اور روگردانی بلکہ مخالفت پر مبنی ہے۔

پڑھنے کے الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے انسان کا ایمان نہیں رہتا مثلاً ایک منتر کا مضمون یہ ہے۔

بھورا ہاتھی عمل عماری جس چڑ آئی پنج ہزاری
پنج ہزاری دی دہائی ہے سر چاون چوکی تیری آئی ہے

اس قبیل کے دواور منتروں کا ذکر کیا جو یہاں درج نہیں کئے گئے۔(راقم الحروف)

القصہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے جنو ّں کے متعلق جزوی اور کلی طور پر واقفیت ہوگئی۔حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا ہے کہ کسی شے کا علم اس کی لاعلمی سے بہتر ہے بلکہ مجھ کو تجربہ ہوا کہ وہ جو نعوذ باللہ کر کے اس طرف

سے نفرت رکھتے ہیں وہ کبھی اس سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ایمان بھی ضائع کر دیتے ہیں ایمان کے علاوہ عزت اور وقار بھی ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ اوّل علماء صاحبان یا صوفی صاحبان نے فتویٰ دے دیا کہ یہ شغل لغو اور بے ہودہ ہے مگر ایسا موقع پیش آ جاتا ہے کہ وہ ہر پہلو سے بے وقعت ہو جاتے ہیں چنانچہ ضلع پشاور میں ایک حکیم صاحب ہیں جو اچھی طرح سے طبی اصول اور تشخیص مرض کے ماہر ہیں ان کا لڑکا بیمار ہو گیا اس کے دماغ میں خلل آ گیا۔ بہت علاج معالجہ کے بعد دعا کیلئے بھی لے گئے۔ اب کسی شخص نے ان کو یہ شبہ ڈالا کہ اس کو جنّ ہے۔ اب جنّ کے عالم کی تلاش کی گئی ایک شخص کا پتہ چل گیا۔ ایک حکیم صاحب کے دوست تھے جو نہایت شریف، صوفی، حاجی اور سالک تھے۔ ان پر لوگوں کا اعتماد تھا کہ یہ روشن ضمیر ہیں ان بزرگ کو حکیم صاحب ہمراہ لے کر اس جنّ والے عالم کے پاس گئے۔ اس نے کچھ پھونک کر علاج کیا مگر لڑکا اسی طرح بیمار رہا۔ اب اس سرگزشت سے ایک تو ان صوفی صاحب کی وقعت ضائع ہوئی دوسرے حکیم صاحب کی فراست خاک میں مل گئی۔ مشہور ہوا کہ دونوں بے سمجھ ہیں اس لئے کہ وہ ایک فریبی شخص کے پاس گئے۔ اس لئے لوگوں کا اعتبار اور یقین ان سے رفع ہو گیا۔ اگر ان کو صحیح سمجھ ہوتی تو کیوں یہ حرکت کر کے اپنا وقار ضائع کرتے یہ منصب تو ان کے پاس بطور امانت تھا اور بعض لوگ جو اس کے عامل اور اس میں مصروف رہتے ہیں ان کو تو دراصل حق دار جہنم خیال کرنا چاہیے۔

حضرت امام اعظمؒ کے فتویٰ متذکرہ بالا کی تصدیق عملی بھی ہو گئی کہ اب جبکہ میرے پاس بعض عورتیں اور مرد آتے ہیں ان میں بعض عالم اور بعض جاہل ہوتے ہیں جب ان کی عورتوں اور بچوں کو تکلیف ہوتی ہے تو ان کے علاج کیلئے مجبور ہو جاتے ہیں اور سب سمجھ اور علم نابود ہو جاتا ہے بکرے کی طرح بیٹھ جاتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں اور جب یہ لوگ میرے پاس آتے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ فلاں صاحب نے کہا تھا اور بچوں کی طرح طفلانہ باتیں کرتے ہیں تو میں ان کی گفتگو سے ان کی عقل اور تجربہ کا موازنہ کرتا ہوں۔ دراصل دنیا میں یہ چیزیں بھی میری مصروفیت کے پروگرامِ مستقبل میں داخل تھیں۔ اس لئے خدا نے مجھ کو اس کی تعلیم بھی دے دی اور اس کی حقیقت واضح کر دی۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی پہلو ایسا نہیں کو مجھ کو حیران کر سکے۔ بلکہ نہایت ادنیٰ چیز سمجھی جاتی ہے۔ اس مضمون میں یہ چیز لکھنے کی ضرورت نہ تھی مگر اس خیال سے کہ اپنے احباب کی معلومات میں اضافہ کرنا مقصود ہے۔ اس بنا پر ضروری خیال کرتا ہوں جس خدا نے میری معلومات میں یہ چیز داخل کی اور نتیجہ بہتر ثابت ہوا۔

دربار شریف میں بہت سی مریضہ عورتیں آتی ہیں کہ ان کو جنّ کی تکلیف ہے مگر یہاں اس معاملہ کی حقیقت ظاہر کی جاتی ہے کہ وہ عورتیں جن کو جنّ آتے ہیں ان میں سے ایک سو عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو واقعی آسیب ہوتا ہے یا اس سے بھی کم۔ دراصل جو عورتیں جنّ کی مریض کہلاتی ہیں ان میں عموماً اِختناق الرحم پیدا کرنے

والے مادے کے غلبے سے دلی کمزوری ہو جاتی ہے اور غشی آ جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تبخیر معدہ پیدا ہو کر طبیعت مغلوب ہو جاتی ہے اور کمزور طبیعت والے انسان بے ہوش ہو جاتے ہیں یا ان کے حواس ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مسمریزم والے کسی کمزور دماغ انسان کو مدہوش کر کے اس سے ایسی گفتگو کراتے ہیں جس سے کچھ خبریں بھی ملتی ہیں بعض غلط اور بعض صحیح ہوتی ہیں تو دوسرا انسان اس مریض کو جس طرف رہنمائی کرے وہ قبول کرتا ہے کبھی نام پوچھتا ہے کبھی کیا، کبھی کیا اور کچھ نہ کچھ جواب دے دیتا ہے۔ اب ہمارا فرض یہ ہوتا ہے کہ نہ ہم جنّ ہونے سے انکار کریں نہ اقرار کریں۔ ہمارا فرض ہے کہ واقعی جو نقص ہے اس کے اسباب پر توجہ کر کے اس کا علاج کیا جائے۔ علاج واقعی بھی ہو اور دوسرے کے ذہن کے مطابق ہو۔ تا کہ وہ قوتِ ارادی سے قبول کرے۔ یوں فوراً فائدہ ہو جاتا ہے۔ مزید انکشاف کے لئے تین قصے درج کئے جاتے ہیں۔

کوہ مری کے علاقے میں دوسرے ملکوں کی طرح یہ تخیل بھی ہے کہ جادو ہو گیا ہے چنانچہ عورتیں مرد بیمار ہوتے ہیں اور جادو کا وہم بنا کر جادو نکلواتے ہیں اور واقعی جادو بھی نکل آتا ہے۔ دراصل جادو، جادو، کی تکرار جاری ہو کر کوئی آدمی نامزد ہو جاتا ہے کہ فلاں جادو نکالتا ہے اور جادو کرتا ہے اب اس کی طرف لوگ جاتے ہیں جادو کرواتے ہیں اور نکلواتے بھی ہیں۔ دونوں قسم کے لوگ اس کے پاس پہنچتے ہیں جس کو جادو کر کے دیتا ہے اس کو کہتا ہے کہ چولہا کے دائیں طرف دفن کر دینا یا فلاں جگہ دفن کر دینا جب کسی بیماری سے یا اسی تعویذ وغیرہ سے اسی گھر میں نقصان پہنچتا ہے تو وہ بھی سرگرداں ہو کر اسی آدمی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ وہ شخص رقم وصول کر کے اور مزید رقم کے لئے وعدہ پر اسی گھر پہنچتا ہے اور ہر طرف ''باطنی روشنی'' سے متوجہ ہو کر تھوڑی دیر کرتب کر کے اس چولہے کے نزدیک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو کھودو۔ وہاں سے وہ چیز نکل آتی ہے پس رقم بھی وصول ہوئی اور مریض بھی درست ہو گیا۔ اسی کی قوت ارادی غالب آ کر مرض مدہم ہو گیا۔ مری کے علاقہ میں موضع ہوکڑہ کیری میں ایک بوڑھے ٹیلر ماسٹر صاحب تھے وہ عام طور پر یہ کام کرتے تھے اور مشہور تھے۔ ایک دن چند آدمی میرے پاس آئے جو سب درزی صاحبان تھے گویا یہ درزی جرگہ تھا۔ ان کے ساتھ ہمارے ماسٹر محمد بخش بھی تھے مگر سب درزی خاموش تھے۔ میں نے پوچھا کس طرح آئے ہو۔ سب نے کہا کہ یہ باواجی صاحب ہماری قوم کے بزرگ ہیں ان کے ساتھ آئے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کس طرح آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرے لڑکے کی بیوی بیمار ہے اور یہ سب میرے ساتھ آئے ہیں۔ میں نے پوچھا مریض کہاں ہے؟ اس نے کہا گھر میں ہے۔ کیا بیماری ہے؟ بڑے میاں صاحب نے کہا اس کو جنّ کی پکڑ ہے۔ اس پر میں ے کہا کہ جنّ وغیرہ نہ ہوگا بیماری ہوگی۔ اس نے کہا نہیں جی میں اس فن کا عالم اور واقف ہوں یہ واقعی جنّ کی پکڑ ہے اور مجھ سے غالب ہے۔ سوائے آپ کے وہ کسی شخص کے قابو نہیں آتا۔ میں تھکا ہوا تھا۔ میں نے تنگ ہو کر کہا کہ سب غلط ہے۔

اس نے کہا پھر آپ ہی بتائیں کیا ہے؟ میں نے کہا دیکھو میاں صاحب آپ کی مریضہ کولڑکی پیدا ہوئی۔ بائیں ٹانگ میں درداور ورم پیدا ہو گیا اور اسطرح اس کو سخت درد بھی ہے اور یہی بیماری ترقی کر گئی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ اس بوڑھے میاں صاحب نے کہا کہ ہاں بے شک یہی بیماری ہے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر ماسٹر محمد بخش صاحب نے فوراً اسے کہا، دیکھوایہہ جگہ اصلی اے ایتھے کوئی غلط گل نہیں ہونی چاہیے۔ اسکے بعد میں نے ان کوتعویذ و دوائی دی۔ جس سے فوراً آرام آ گیا جنّ معدوم ہو گیا۔

ایک شخص بہت سمجھدار، بوڑھا، تجربہ کار آیا کہ میرے لڑکے کی بیوی کو جنّ آتا ہے اور جنّ اب بولتا اور بتلاتا ہے کہ میں سیّد ہوں۔ اس کو میں نے سمجھایا کہ یہ بیماری ہے۔ تعویذ اور دوائی بتائی۔ اس نے یہی اصرار کیا کہ وہ بالکل جنّ ہے۔ سب تجربہ کار علماء نے بھی جن تسلیم کیا ہے۔ میں نے اس شخص سے پوچھا کہ آپ ذرا غور کریں اور مجھ کو سمجھا دیں کہ حضرت حسن وحسین علیہما السلام کی اولاد سے کون صاحب بگڑ کر جنّ بن گئے تھے اور اس کی اولاد جنّ پھیلی۔ یہ بات سن کر تھوڑی دیر خاموش رہ کر اس نے کہا بے شک جنّ سیّد نہیں ہوسکتا۔ اب سب خیال غلط ہے۔ چنانچہ وہ شخص تعویذ اور دوائی لے گیا اور مریضہ تندرست ہو گئی۔

کئی لوگ ایسے بھی دیکھے ہیں کہ وہ ہرگز نہیں مانتے کہ جنّ آدمی میں داخل ہو کر تنگ کرے بلکہ جنّ کے وجود سے ہی منکر ہوتے ہیں اور مباحثے علمی پیدا کرتے ہیں۔ پھر کئی دفعہ ایسا ہوا کہ وہی صاحب تشریف لائے کہ عجیب تماشا ہے کہ میری لڑکی کا صندوق بند تھا اور اس میں قیمتی کپڑے رکھے ہوئے تھے، جب صندوق کھولا تو سب کپڑے قینچی سے کترے ہوئے تھے۔ ایک دن کپڑے دیوار پر لٹکے ہوئے تھے کہ یکا یک سب کو آگ لگ گئی اور متواتر کئی دن تک یہی کام رہا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ اب معلوم ہوتا ہے کہ واقعی جنّ ہی ہے جو اس قدر تکلیف دے رہا ہے۔ اگر کئی دفعہ کہا جائے کہ جن نہیں وہ بار بار یہی کہتے ہیں کہ نہیں صاحب وہ جنّ ہی ہے، ہم نے تحقیق کر لی ہے اب خود مان گئے اور تسلیم کرنا پڑا۔

یہ تین واقعات لکھ دیئے تا کہ ان کا علم ہمارے احباب کو ہو جائے اور اس معاملہ پر غور کریں۔

ہمزاد کی حقیقت

اب واضح ہو کہ جنّ کے علاوہ ہمزاد ایک اور چیز ہے جو انسان کو تکلیف بھی دے سکتی ہے اور خدمت بھی کر سکتی ہے۔ مگر ہمزاد کے متعلق جو حالات کتابوں میں درج ہیں بلکہ ہمزاد قابو کرنے کے طریقے لکھے ہیں وہ سب غلط ہیں اور برعکس ہیں۔ یہ معاملہ اس طرح ہے کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو ایک ہوائی جسم اس کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے گویا دو آدمی پیدا ہوتے ہیں ایک خاکی جسم اور دوسرا ہوائی جسم جو ہمزاد ہوتا ہے۔ بچہ جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی بڑا

ہوتا ہے جو کچھ لیاقت بچہ حاصل کرتا ہے اسی قدر ہمزاد بھی حاصل کرتا ہے پڑھتا ہے اور سب کچھ سیکھتا ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی قبر پر تین روز ہمزاد رہتا ہے۔اس کے بعد وہ اپنی ہوائی جماعت میں شامل ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس قبر سے وہ ہمزاد پکڑ لے تو اس کے تابع ہوکر خدمت کرتا ہے اور اس کے پکڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ چالیس روز تک قبر پر ایک وظیفہ پڑھنا پڑتا ہے جو منتر کی قسم سے ہے اور ایک شیخ اس جماعت کا سردار ہے یا مجسمہ متخیل ہے جب وہ ظہور پکڑتا ہے تو اس کی مدد سے ہر قبر پر سے تین دن کے اندر وہی وظیفہ پڑھ کر وہ ہمزاد قبضہ میں کر لیا جاتا ہے۔ مگر ہمزاد ہرگز خاموش نہیں بیٹھ سکتا ہر وقت کام میں لگا رہتا ہے۔اس لئے اسکو ہر وقت کسی مقررہ کام کا حکم دلایا جائے تو اس میں دوسرے حکم تک مصروف رہتا ہے۔اس کے علاوہ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنا ہمزاد اپنے قابو میں کرے وہ بھی علٰیحدہ مشق ہے جس کے ذریعے اپنا ہمزاد زیر فرمان ہوجاتا ہے۔ یہ ہمزاد بھی کبھی کبھی خدمت انجام دیتا ہے اور بعض وقت کوئی خبر بھی دیتا ہے۔اس کے علاوہ روحانیت میں بھی نوری اجسام ہیں۔ جو خدمت ان کی از روئے خلقت ہے وہ خدمت قرآنی الفاظ اور اسمائے الٰہی ہے اگر کسی اسم یا حروف کو اس کے متعینہ طریقے پر پڑھنا شروع کرے اور ترکِ حیوانی ہو تو وہ روحانی جماعت اس کے لئے قضائے حوائج میں کام دیتی ہے اور اس کے اذکار میں سفارش بھی کرتے ہیں، سہولت بھی بہم پہنچاتے ہیں بلکہ مخصوص طریقہ پر عمل کرنے سے وہ اس کی روحانی ضروریات مہیا کرتے ہیں۔اس کے لئے بخور (دھواں) بھی مخصوص ہیں اور حروف جو الفاظ بن کر ان کی روحانیت کی جماعت بن جاتی ہے اور ہر اسم کے لئے علٰیحدہ حروف اور علٰیحدہ بخور ہے اور بیت القمر معلوم ہونے پر ان کی امداد مل سکتی ہے۔

مؤکلات

اس کے علاوہ مؤکلات ہیں، یہ فرشتے ہیں۔ یہ بھی اسماء الٰہی کی خدمت کرتے ہیں اور قرآنی حروف کی بھی خدمت کرتے ہیں۔اس کے ذریعے سے دنیا کے جملہ امور طے ہوتے ہیں۔نظامِ عالم کا قیام ان کے ماتحت ہے۔ان کے ساتھ متعلقہ الفاظ پڑھنے کا علٰیحدہ علٰیحدہ طریقہ ہے اور علٰیحدہ علٰیحدہ دعوت ہے۔ان سے استمداد اسی طرح ہوسکتی ہے کہ اسی ملکوتی طہارت کو انسان اختیار کرے اور اسی طرح ترک حیوانی خوراک اور ترکِ حیوانی اعمال اور تعداد منازل قمر اور طالع کا علم ہو کہ دعا (غرض) کو بھی اعداد میں منسلک کرے تو اسی صورت کی تکمیل پر جس کام کے لئے پڑھے وہ کام ضرور ہوجاتا ہے۔

اظمار

اس کے علاوہ اظمار ہیں یہ متعلقہ ملکوت ایک روحانی جماعت ہے۔امورات کا انکشاف واسناد اور دفینے خزانے معلوم کرنا وغیرہ ان کی امداد حاصل ہوسکتی ہے مگر یہ ضروری ہے کہ ان کے مقررہ اصول وشرائط پر عمل کیا جائے۔

نصاب جفر

اس کے علاوہ نصاب جفر ہے۔ اس کا مقررہ کورس اڑھائی سال میں پورا ہوتا ہے مگر یہ عرصہ ہر قسم کے گناہ اور لغو اشغال سے محفوظ رہ کر لکھنے کا کام ہے۔ اس میں بھی روحانیت کی امداد خصوصاً اوراد و ادعیہ کا اثر عموماً پیدا ہو جاتا ہے اور استفادہ لوگوں کی اغراض میں اور تسخیر بھی اس کا خاصہ ہے۔ اس کے متعلقہ کئی خاص اصول اور طریقے بھی ہیں جن میں بلوغ المآرب مشہور ہے۔

ساعات اوقات کے خواص اور اسمائے الٰہی کے خواص

اس کے علاوہ ساعات اوقات کے خواص اور اسمائے الٰہی کے خواص کو مطابقت دے کر استدعا وعرض کے مطابق اسم ان کی متعینہ اعداد پر سے خواص میں کامیابی مقصود ہے اس سلسلہ میں عموماً تعویذ اور عمل کتابوں میں درج ہیں مگر اس کی حقیقت بے سود نہیں بلکہ ہر امر میں کامیابی کے علیحدہ علیحدہ طریقے ہیں۔ دو انسانوں میں رابطہ محبت، دو انسانوں میں مفارقت و بغض، نیز بندش زبان، بندش کاروبار، بندش مفاد نیز دشمن کو نقصان پہنچانا اور ذلیل کرنا یا لشکر اعداء یا جماعت اعداء پر غلبہ و فتح، تندرستی و مرض وغیرہ اس قسم کے مفاد اس صیغہ میں عمل میں آ سکتے ہیں۔ مگر اس میں وہ حقیقت جس سے اسم اعظم کا اثر ثابت ہو وہ قابل اظہار نہیں۔ البتہ خاص اشخاص کو جن پر درست اعتماد ہو ان کو یہ تعلیم دینی مناسب ہے۔ نااہل کو تعلیم و اجازت دینے سے قیامت میں مواخذہ و رسوائی ہو گی۔

الغرض ان تمام چیزوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کی حقیقت اور انتہا معلوم کرنے کے بعد ان چیزوں کی وقعت دل میں نہ رہی۔

اسماء الٰہی و آیات قرآنی مخصوصہ کے حقائق و خصائص

اس کے بعد اسماء الٰہی و آیاتِ قرآنی مخصوصہ کے حقائق و خصائص کو معلوم کرنے کے لئے اس کی لازمی خلوت پوری کی۔ تقریباً دو سال متواتر بلحاظ اصول و شرائط مکمل طور پر محنت کی۔ البتہ یہ وہ کام تھا کہ جس کے شرائط و خلوت پورا ہونے سے ان اسماء کی عظمت و وقعت دل میں زیادہ ہوئی اور دو چیزوں کا علم ہوا۔ ایک ان کے خواص دوسرا ان کے حقائق جو ذات باری سے مستلزم ہیں۔ ان پر توجہ دی۔ اس حال میں انسان ان کی خواص پر توجہ نہیں رکھتا بلکہ حقائق پر متوجہ ہو کر اس کا منقاد ہو جاتا ہے۔ یہ اسماء ازروئے اجمال اس طرح ہیں جس طرح ریڈیو میں ایک سوئی دہلی سے اٹھا کر لندن پہنچا دے تو اوپر یعنی عالم بالا کی حقیقت اور ایک عظمت ان مقامات کی پیدا ہو گئی۔ اس طرح ان اسماء کے لفظوں سے جب ان کی حقیقت پر انسان پہنچتا ہے تو تمام دنیا اس کے مقابلہ میں ایک انچ سے بھی کم معلوم ہوتی ہے بلکہ

وہی ایک ہی مقام مالک الملک کی احدیت کا دروازہ معلوم ہوتا ہے۔ وہی اس اسم کے موضوع کا مصدر اور منبع ہے۔

الغرض اس چیز کو مفصل بیان کرنے میں کئی نقائص بھی ہیں اس لئے یہ راز افشاء کرنا مناسب نہیں۔

اورادِ نظیریہ کی ترتیب

اس حقیقت الحال اور واردات صفات کا زمانہ گزرا اور ایک ذلیل دنیا سے نئی دنیا دیکھی اور نئی دنیا سے پھر عالمِ دنیا کی سیر حاصل ہوئی تو وہ ماجرا اور حقیقتِ حال ایک آسمانی مقصد معلوم ہونے لگا۔ عرصہ کے بعد بالکل انسانیت اور بشریت ہی کا عالم طاری تھا۔ ان ایام میں دل میں خیال آیا کہ اپنے احباب کو اس فضلِ عظیم میں سے فائدہ ملنا چاہیے، ان کو اس غرض سے اس طرف مائل کرنا اور شامل کرنا چاہیے اور سوائے اس کے اور کوئی طریقہ ممکن ہی نہ تھا کہ ان اذکار اور اوراد کو جمع کر کے لوگوں کو اس شغل پر مصروف کیا جائے۔ مگر اس وقت ذہن میں یہ نہ تھا کہ لوگ ان اوراد کی حقیقت سے بے خبر اور محروم ہیں۔ لوگوں پر توجہ کرنے سے لوگوں کی حالت لغویت کا بھی علم ہوا دل کسی قدر اس ارادے سے پھرتا گیا۔ مگر پھر ان کا جمع کرنا، لکھنا اور لوگوں کو متوجہ کرنا نہ کرنے سے مفید اور بہتر ثابت ہوا۔ اس لئے سب اوراد یکجا کئے اور اس خیال میں کہ دنیا کی تمام تکالیف جملہ مقاصد کی علٰیحدہ علٰیحدہ چابی سمجھ کر لوگوں کے حوالے کرنے پر دل آمادہ ہوا۔

رمضان شریف کا مہینہ تھا بعد نماز ظہر اوراد شریف کی ترتیب کو مکمل کیا گیا۔ اوراد اور ان کے اعداد میں ایک خاص راز مضمر تھا۔ جو دنیا میں سوائے دو آدمیوں (یعنی **نظیر احمد** وحاجی محمد ہاشم صاحب بوّاب مدینہ منورہ شریف) کے کسی کو اس کا علم نہیں اور نیز اوراد ان اعداد میں مقید تھے اس حالت میں ان کی اجازت نااہل کو دینی اس طرح ہے کہ اصلی بارود چھوٹے بچے کے ہاتھ میں دیکر اس کو آگ کے پاس بٹھا دیا جائے۔ اس لئے تین چیزیں اس سے علٰیحدہ کر دیں اور اعداد میں تبدیلی کر دی پھر نماز کے بعد سو گیا تو کیا دیکھا کہ ایک عظیم الشان کشتی تیار کرائی گئی اور اس میں سب احباب کو بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے لئے بٹھا دیا اور بہت سے خوبصورت سنہری منقاروں والے پرندے ہیں وہ کشتی ان پرندوں نے اٹھائی۔ پرندے کشتی کو آسمان کی طرف لے گئے۔ آسمان سے اوپر کشتی پہنچی تو وہ کشتی آگے جانے میں سست ہو گئی۔ پرندے بہت زور لگاتے ہیں مگر آگے نہیں جاتی۔ اس وقت مجھے سخت خطرہ پیدا ہوا کہ یہ کیا ہوا اور اب کیا کرنا چاہیے؟ خدا کی طرف التجا کر رہا ہوں کہ ناگاہ عرشِ عظیم کی طرف سے ایک آواز آئی کہ تین کی کسر ہے وہ تین لاؤ تا کہ کشتی عرشِ عظیم پر پہنچے۔ اس کے بعد بیدار ہو کر خواب کو سوچا تو بقایا وہ تین چیزیں بھی ان میں داخل کر دی گئیں اور ان کا نام اورادِ نظیریہ تجویز ہوا۔

اجابت دعا

اب اس اسرار اسماء سے اس امر کی حقیقت واضح ہوئی کہ سبع مثانی اور یہ مقالید الامور کس قدر وسیع خزانہ ہیں اور یہ تمام نعیم دنیا سے کس طرح بڑی چیز ہے اور اسمِ اعظم کو کیوں اسمِ اعظم پکارا گیا ہے۔ یہ راز بھی منکشف ہوا کہ کیونکر انسان کا ذہن اور قلب ہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انوار ذاتی منعکس ہو سکتے ہیں۔ درآں حال کہ وہ آئینہ دل سیدھا ذات کی طرف ہو ورنہ نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کے خیالات، ارادے اور دل بہت گرد آلود ہیں اور بشریت کے منقاد ہیں اور نورانیت سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے ان کو نہ ہی علم ہوسکتا ہے کہ یہ اسماء کس ذات تک پہنچاتے ہیں اور نہ ہی ان کی وقعت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اندریں صورت ان اسماء کی حقیقت اور خواص ہرگز آدمی پر منکشف نہیں ہو سکتے اور نہ ہی انوارِ ذاتی جن کے حضور کا ذریعہ یہ اسماء ہیں آ سکتے ہیں۔ اس لئے وہ دولت عام نہ رہی بلکہ خاص میں مخصوص رہی اور جن لوگوں میں وہ مخصوص ہے ان کی نگاہ آگے مسمّٰے پر پڑتی ہے تو گویا تمام خزانے محفوظ رہ گئے۔ تو مبتدی کے لئے لازمی ہے کہ ان حقائق کو پہنچنے کے لئے ان اسماء کا ذکر اختیار کرے۔ مگر ایک ذات ہے اس کے جو صفات متعلقہ اسم ہیں وہ اس اسم کے موضوع ہیں۔ اب اسم خواں کو لازم ہے کہ ذات کی طرف متوجہ ہو کر اس کے صفات متعلقہ اسم کے موضوع کو ذہن میں لا کر بعد میں اسم پکارے تا کہ وہ اسم یا اس کا ذکر واقعی ذکر ہو اور جس غرض کیلئے متوجہ ہو وہ اس اسم سے مناسبت رکھتا ہو۔ اس لئے مسمّٰے ذات الٰہی اس صفت اور خاصیت کے ساتھ اس پر عملی جواب دیتی ہے تو ضمناً اس ذکر میں وہ مدعا پورا ہو جاتا ہے۔ اس لئے توجہ درست کرنے کے لئے ملکیت کو غالب کرنا بشریت کو مغلوب کرنا ضروری ہے اس لئے ترکِ حیوانی اور نفسانی اصلاح لازمی قرار پائی اس صورت سے اجابتِ دعا وابستہ ہے۔ نہایت پختہ اور قانون مستمرہ ہے کہ اسماء الٰہی کی خاصیات ہرگز بدل نہیں سکتیں اور جس مدعا کیلئے اسماء کے دروازے سے سوال کیا گیا ہرگز مسترد نہیں ہوتا بلکہ دعا کرنا اجابت کا ثبوت ہے۔ اس لئے جو دعا منظور نہیں ہوتی وہ دعا کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی جیسے کہ ارشاد الٰہی ہے۔

مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ﴿البقرۃ:255﴾

''وہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش کر سکے''

نتیجہ یہ ہوا کہ جو سوال بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتا ہے وہی سوال ہی ہوسکتا ہے تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص کسی مدعا کے لئے سوال کرے وہ کام نہ ہو۔ یہ ناممکن ہے۔ نہایت پُر زور وعدہ مالک کا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور خداوندِ کریم اپنی مخلوق سے اس شخص کو ناپسند کرتا ہے کہ جس سے سوال کیا جائے وہ انکار کرے۔ بلکہ

حکم ہے کہ سائل کورَد نہ کرو۔ اب عقل کے خلاف ہے کہ خدا خود اپنے سائل کورَد کرے۔ عوام کا یہ خیال ہے کہ گناہگار کی دعا خدا قبول نہیں کرتا بلکہ دعا کرنے کے لئے کوئی پاکیزہ کردار انسان ہونا چاہیے جس نے مدت تک عبادتیں کی ہوں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اور یہ خیال بھی غلط ہے کہ کوئی دعا نا منظور ہوئی۔ سب سے زیادہ گناہ گار شیطان ہے۔ ثابت ہے کہ خدا نے شیطان کی دعا بھی قبول فرمائی۔ اگر کوئی شخص دعا کرے خواہ گناہ گار ہے یا نیکوکار دعا منظور نہ ہوئی یہ خیال نہ صرف غلط ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے خدا کا دروازہ سائلوں کے لئے کھلا ہے اور وہ وَھّاب ہے، **مجیب الدعوات** ہے اور **ذو الجلال و الاکرام** ہے۔ ان صفات میں کوئی خاص شرط معلق نہیں ہے اگر معلق تسلیم کی جائے تو صفاتِ کمال میں نقص آتا ہے۔ خداوندِ کریم نے فرمایا ہے جس کی دعا قبول کی جاتی ہے اس کو دعا کی توفیق دی جاتی ہے۔ اس سے تو قبولیت اوّل اور اظہار دعا بعد میں ہے جس طرح کوئی کہہ دے یہ چیز تمہاری ہے مانگ کر لے لو۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ برُے کاموں کے لئے دعا منظور نہیں ہوتی۔ دعا ہر کام کیلئے منظور ہوتی ہے۔ چنانچہ بلعم باعور نے پیغمبر حضرت یوشعؑ کے خلاف دعائیں کیں اور وہ کس طرح منظور ہوئی تھیں البتہ انجام اس کا ہلاکت ہے۔ شاید بعض لوگوں کو ولی بلعم باعور کا قصہ یاد نہ ہو اس لئے مختصراً لکھا جاتا ہے: -

بلعم باعور

حضرت یوشعؑ کے زمانہ میں ایک بادشاہ کافر تھا۔ اس کی تمام قوم کفر میں مبتلا تھی۔ تبلیغ اسلام پر وہ لوگ حضرت یوشعؑ سے برسرِ پیکار تھے مگر کفار کو شکست ہوئی کوئی چارہ نہ چل سکا۔ سخت حیران ہو کر کئی حیلے استعمال کیے لیکن کوئی چارہ کارگر نہ ہوا۔ آخر ایک درویش ولی وہاں رہتے تھے ان سے جو شخص دعا کرواتا عموماً اس کا کام ہو جاتا تھا۔ لوگوں کو یہ خبر تھی۔ اس لئے سب قوم نے جمع ہو کر بلعم باعور ولی کے پاس درخواست کی کہ وہ دعا کریں۔ مگر انہوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ پیغمبر تو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے ان کے خلاف دعا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ لوگوں نے مشورہ کر کے ان کی بیوی منکوحہ کو رضا مند کرنے کی کوشش کی۔ بہت قیمتی زر و مال لے گئے، جواہرات، سونے کے زیورات اور قیمتی لباس پیش کئے۔ عورت یہ تحفے واپس نہ کر سکی اور دعا کرانے کا وعدہ کر کے تحائف وصول کر لئے۔ بلعم باعور نے اس کی عرض نہ مانی۔ بارہا زور ڈالا۔ حد سے زیادہ مجبور کیا بلکہ ان سے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر دعا نہ کرو گے تو میں بھاگ جاؤں گی اور کبھی تمہارے گھر میں داخل نہ ہوں گی۔ اس کی سخت کوشش پر بلعم باعور ایسی دعا کیلئے رضا مند ہو گئے اور پیغمبر کے خلاف کفار کے حق میں دعا کر دی۔ جس کی وجہ سے دوسری بار لڑائی میں پیغمبر کو شکست ہوئی اور کفار فتح یاب ہو گئے۔ پیغمبر کو سخت تعجب ہوا اور نہایت رنجیدہ ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں سوال پیش کیا۔ بتلایا گیا کہ بلعم باعور ولی ہے اس کے سینے میں اسمِ الٰہی

ہے اس کی دعا آپ کے خلاف منظور ہوئی۔ اس وقت حضرت یوشعؑ نے نہایت جوش میں آ کر سوال کیا کہ یا اللہ اس ولی بلعم باعور کے سینہ سے ذکر الٰہی محو کر دے چنانچہ دعا منظور ہو گئی۔

بلعم باعور نے جب یہ دیکھا کہ طبیعت سرد ہو گئی وہ اسمِ الٰہی معدوم ہو گیا اور بدن گدھے کی طرح بیوقوف ہو گیا تو نہایت پریشان ہوا اور حضرت یوشعؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سخت عجز و زاری کی، عاجزی اور توبہ کی۔ اور سوال کیا کہ میں نے سخت بُرا کیا اب میں ذلیل ہو گیا ہوں اس لئے آپ خدا کی بارگاہ میں میری معافی کا سوال کریں۔ چنانچہ اس نے دعا کی اور حضرت یوشعؑ نے سفارش کی اس لئے یہ دعا قبول ہوئی اور حکم ہوا کہ تین دعائیں جو تم کرو گے منظور کی جائیں گی۔ اس پر خوش ہو کر واپس آئے اور گھر میں آ کر اپنی بیوی سے بھی ذکر کیا کہ مبارک ہو کہ اب خدا نے تین دعائیں منظوری کا حکم دے دیا۔ اب اس عورت کے پاس زیورات اور کپڑے تو نہایت اعلیٰ تھے اس لئے شکل بھی اعلیٰ اور خوبصورت ہونی چاہیے تھی چنانچہ اس عورت نے اسی طرح بلعم باعور کو سخت تنگ کیا کہ ایک دعا میری خوبصورتی کیلئے کرو آخر عورت تو میں تمہاری ہی ہوں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ چنانچہ اس نے ایک دعا اس کے حق میں کر دی اور وہ اس وقت کی سب عورتوں سے نہایت خوبصورت ہو گئی خوش حالی نصیب ہو گئی۔ اب اس عورت کو ہر چیز میسر ہو گئی سوچا بلعم باعور میری شان کے موافق نہیں ہے مجھے کوئی نہایت خوبصورت جوان مرد تلاش کرنا چاہیے چنانچہ ملک میں شہرت خوبصورتی تو ہو چکی تھی اس لئے ایک نہایت خوبصورت جوان مرد بھی مل گیا۔ اب اس عورت نے اس سے ساز باز شروع کی۔ بلعم باعور کو علم ہو گیا۔ سخت غصہ ہوا اور کچھ پیش نہ آئی۔ آخر دو دعائیں تو باقی ماندہ تھیں ان سے ایک دعا یہ کر دی کہ خدا اس عورت کی شکل بگاڑ کر اس کو خنزیرنی بنا دے۔ چنانچہ دعا قبول ہوئی اور وہ عورت دوسرے دن شکل خنزیر کی ہو گئی۔ اب اس کے لڑکے لڑکیاں رونے پیٹنے لگے اور باپ کے پیچھے پڑ گئے۔ وہ خنزیرنی بھی بلعم باعور کے قدموں میں آ کر سر رکھتی تھی۔ الغرض نہایت تنگ ہو کر ایک دعا کر دی کہ خدایا اس عورت کو اس پہلی شکل پر بنا دے۔ چنانچہ دعا ہوتے ہی خدا نے اس کی شکل بدل دی۔ تین دعائیں ختم ہو گئیں اور بلعم باعور ایمان سے خارج ہو کر کفر میں فوت ہو گیا۔

اس قصہ سے نہایت عظیم الشان ہدایت مترشح ہے۔ دو نتیجے اس مندرجہ بالا تحریر سے نکلے۔ اوّل گناہ گار کی دعا بھی قبول ہوتی ہے۔ دوئم غلط کام کے لئے بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ اگرچہ انجام نہایت خراب ہوتا ہے۔ اب اس مضمون سے صرف ثبوت یہی ملا مگر عمل برعکس ہے اس طرح بے شمار گناہ گار دعائیں کرتے رہتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتیں اور بے شمار نیکوکار دعائیں کرتے اور وظیفے پڑھتے رہتے ہیں مگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس امر واقع سے ہر انسان کو تعجب ہونا چاہیے اس میں سمجھنے کے قابل امر صرف ایک ہی ہے۔ درحقیقت جو دعا کر رہے ہیں خواہ وہ کرنے والے گناہ گار ہیں خواہ نیکوکار یہ دعا ہی نہیں جبکہ یہ مسئلہ عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ دعا کیا چیز ہے؟ اور دعا کس طرح کی

جاتی ہے؟ تو لامحالہ عوام کو اس طبقہ کے پاس جانا چاہیے کہ جن پر اعتبار ہو کہ یہ دعا کرنے کے اہل ہیں یعنی دعا اور طریقہ کو یہ ضرور جانتے ہوں گے۔ اب حقیقت اس مسئلہ کی صرف یہی ہے کہ دعا سے مراد وہی دعا ہے جو معنوی اور ارشاد الٰہی کے موافق ہو، دعا کرنے والا دعا کرنے کے اصول سے واقعی واقف ہو، مگر اس میں مشکل یہ پیدا ہوتی ہے کہ جو شخص دعا کے موضوع کو جانتا ہو اور اس کی دعا واقعی دعا ہے وہ عوام کے طبع زاد امورات کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ دعا کرے مگر فی الجملہ دعا کے معنی یہی ہیں کہ خدا کی طرف انسان متوجہ ہو خواہ ناقص طریقے سے ہو خواہ کامل طریقے سے ہو تو خدا کی طرف سے ناکام یا نامراد نہیں رہتا۔ دعا کیلئے اسماء الٰہی مخصوص ہیں اور اسماء الٰہی صفات کے لئے مخصوص ہیں اور صفات باری تعالیٰ جاری اور حاوی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک غیر محدود اور نہایت وسیع عمارت ہے اس میں تمام خزانے موجود ہیں اور خزانے خدا نے اپنے بندوں کیلئے مقرر کر رکھے ہیں اور خزانے تک پہنچنے کیلئے مختلف دروازے ہیں، ہر دروازہ علیحدہ حقیقت اور علیحدہ طاقت پر منحصر ہے جو اپنی مدعا کیلئے مطلوب ہے۔ بندوں کو اسی دروازہ سے مطالبہ کرنا چاہیے وہ دروازے اسماء الٰہی ہیں گویا جس مدعا کا سائل ہے اسی دروازے پر حاضر ہو یعنی غنا کا سائل یا شفا کا سائل ہے یا قہر کا سائل ہے یا رحم کا سائل ہے تو جس اسم کی مناسبت وخاصیت کے ساتھ اس کی مدعا کا تعلق ہے وہ اس دروازے پر حاضر ہو۔ اب سائلین کی مختلف اقسام ہیں۔ ان کے خیال اور مدعا کے ظرف جداگانہ ہیں۔ جس طرح دریا پر آدمی جائے کوئی پیالہ لے کر جائے تو پیالہ بھرا جائے، کوئی مشکیزہ لے جائے تو وہ بھی بھرا جائے اور کوئی وسیع القلب ہے کہ اس دریا سے نہر ہی اپنی مرضی پر لے جانا چاہتا ہے تو وہ بھی لے جا سکتا ہے۔ غرضیکہ ہر ایک کو اس کی غرض اور تکلیف کے موافق حصہ ملتا ہے یہ نہیں کہ پیالے والے کو گھڑا مل جائے یا گھڑے والے کو نہر ہی پوری مل جائے۔ اب اسماء الٰہی پر اور عمل دعا پر توجہ لازم ہے۔ چونکہ انسان جسمانی اور روحانی یعنی بشریت وملکیت کا مجموعہ ہے اور اس مجموعہ انسانیت کا مظہر اس کا خیال ہے اور علم یہی دو چیزیں یعنی علم اور خیال ذریعہ سوال اور کامیابی ہے اب ہر انسان کو حقیقتِ اسماء کا سمجھنا اور حقیقتِ حال کو سمجھنا شرط ہے۔ اسماء کا سمجھنا یہ ہے کہ اس اسم کا موضوع معلوم کرے اسم کے الفاظ اور حروف مقصود نہیں بلکہ موضوع اسم کی حقیقت کا پیدا کرنا مقصود ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جب ہمارے پاس آدمی آتے ہیں تو ہم ان کی قضائے حوائج کیلئے "**الحسیب**" بتاتے ہیں تو وہ جا کر اس کو کئی سو دفعہ پڑھتے ہیں کئی ہزار بار کئی لاکھ بار پڑھتے ہیں مگر کام نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ "**الحسیب**" کا لفظ پڑھ کر تعداد لاکھوں تک پہنچا دیتے ہیں مگر ہرگز یہ پتا نہیں ہوتا کہ یہ کیا چیز ہے؟ لفظ کا معنی کیا ہے؟ اس کا موضوع کیا ہے؟ اس لفظ کی حقیقت کیا ہے؟ صرف منہ سے بولتے رہتے ہیں تو یہ انسان فی الحقیقت خود ہی انسان نہیں ہوتے بلکہ انسان نما جانور ہوتے ہیں۔

حقیقت الحسیب

اسم ''**الحسیب**''اس کا مادہ حسب ہے خاص و عام لوگ یہ لفظ روزانہ استعمال کرتے ہیں اس لئے اغلب ہے کہ سب اس کو سمجھتے ہیں جیسے کہ لکھا جاتا ہے۔حسب الحکم فلاں یا حسب ایما فلاں یعنی حکم اور ایماً کا سبب اس طرح ''**الحسیب**'' صفت مشبّہ کا صیغہ ہے گویا حقیقت اس کی یہ ہوئی کہ جو حکم یا جو کام ہوا اس کے ہونے کی اصلی وجہ یا حقیقتِ شدنی یا وجود جو ذات ہو وہ حسیب ہے چونکہ ہر امر کے وجود میں آنے کا حسب (وجہ) صرف ذاتِ حق سبحانہ ہے اور حقیقی موجد اور خالق وہی ہے اس لئے وہ فی الحقیقت حسیب ہے۔ یہ لفظ اپنی حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ذات **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ** ہے اس پر الف لام داخل ہوا تو ''**الحسیب**''ہوا۔ثابت ہوا کہ ہر چیز کا وجود میں آنا یا نابود ہونا اس کی وجہ مشیت ذات الٰہی ہے تو یہ لفظ ''**الحسیب**'' پکارنے سے اس کا موضوع ذہن میں آنا چاہیے موضوع ذہن میں آیا تو اس کی خاصیت عمل میں آ گئی۔تو جو تقاضا اس کے پکارنے کا سبب ہوا، وہ بھی پورا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا حضورِ ذاتی ہے بلحاظ صفت حسیب کے،اس لئے یہ اسم اعظم کا درجہ رکھتا ہے اب التجا فوراً پوری ہو جاتی ہے کیونکہ مدعا اور سوال میں ذات کی طرف توجہ اور توکل پیدا ہوا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴿الطلاق:3﴾

''اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔''

یہ حکم ہے اس مدعا کے پورا ہونے کا۔اب اگر لفظ ''**الحسیب**'' ہزار بار زبان سے نکلے لیکن یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو کچھ حاصل نہیں کیونکہ اس کے لوازم اور ہیں۔جن کی خاصیت بھی اس کے متعلق ظاہر ہوتی ہے۔

ایک یہ کہ باطہارت باحضور ذات ہمیشہ ذاکر رہے تو وہ مَلک (فرشتہ) جو اس لفظ کا خادم ہے اس کے ماتحت اس کے اعداد کے موافق اسّی (80) خادم ہیں۔ یہ جماعت روحانیات اس انسان کی اس رفاقتِ ذکر میں، ہر امر میں معاون رہتی ہے اور ہر امر جس کا تقاضا ہو یا نہ ہو اس میں وہ اس کے معاونِ عملی ہوتی ہے یعنی اس کی ترقی،عزت اور اغراض میں اسباب کامیابی میں آسانی و سہولت پیدا کرتے ہیں اور بدخواہوں اور معاندین کو ذلیل کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ذاتِ الٰہی خود ''حسیب'' ہے اب اگر اس اسم ''حسیب'' کا ذاکر بھی ہو اور ذکر کی تکمیل بھی ہو تو قربِ ذات پیدا ہوتا ہے۔ تکمیل کی صورت یہ ہے کہ خدا از روئے علم اور از روئے عمل خود ہر شخص کیلئے ''حسیب'' ہے اور ذاکر بھی باوجود ذاکر حضوری ہونے کے تخلّق باخلاق اللہ پیدا کر کے مخلوق کیلئے ان کے مصائب رفع کرنے میں ''حسیب''ہوا۔ یہ صورت تخلّق باخلاق اللہ مرتبۂ خواص ہے یعنی خواص میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے اس سے مدعا یہ ہے کہ یہ انسان دنیا

کی دوسری مخلوق سے ممتاز ہے۔ وہ صفت یہی ہے کہ انسان خدا کی ہر مخلوق کی تکلیف اور مصیبت رفع کرنے میں خود اس طرح کوشش کرے کہ اس کام میں کوئی کسی طرح کا معاوضہ مدنظر نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ مخلوقِ خدا ہے خواہ وہ حیوان ہے خواہ وہ انسان ہے۔ خدا چونکہ مخلوق کا نگران ہے تو اس شخص کے عمل کا بھی نگران ہے۔ اس لئے مالک اپنی عطا سے اس پر مہربان ہوتا ہے جس طرح ایک دانہ زمین میں ڈالا گیا تو اس سے ہزاروں لگے۔ اسی طرح اس کو معاوضہ میں زیادتی ملتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اگر لوگوں کو خدا کی طرف متوجہ ہونے کا سبب ہوا تو یہ شخص خدا کی طرف سے عزت دیا گیا اور مخلوق میں افضل قرار پایا۔ یہی درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ یا ذات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کا حسیب ہوا تو اس صورت سے کیفیت کن فیکون سے اس کو عزت ملتی ہے۔ جس کو عزتِ تکوین کہا جاتا ہے۔ جو عبادالصالحین اور مقربین کا حق ہے۔ یہاں پر ایک واقعہ اپنا گزرا ہوا درج کرتا ہوں کہ "الحسیب" کے مَلک نے مجھ کو ایک موقع پر کس طرح امداد دی۔ وہ یہ واقعہ موٹر گرنے کا پڑھ کر معلوم کریں۔

موٹر گرنے کا واقعہ

دراصل کام سب مالک الملک کی طرف سے ہوتے ہیں وہ ذریعہ (اسباب) کے حجاب میں کام کرتا ہے۔ چنانچہ 1923ء میں مجھ کو اپنی زندگی کے متعلق شبہ ہوا تو سائیں فیروز خان کو علم ہوا اور اس نے چند احباب کو اپنے ساتھ ملا کر دعا کی۔ کچھ عرصہ کے بعد میں پشاور حضرت اخوند درویزہ بابا صاحب کی زیارت کے لئے گیا۔ وہاں سے واپسی پر راولپنڈی میں ایک تار ملا کہ ثانی صاحب کی زوجہ فوت ہوگئی ہے۔ اب ثانی صاحب نے راولپنڈی سے اُسی رات ہی مری جانے پر زور ڈالا اور ایک موٹر منگوائی اور ہم لوگ سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ موٹر راول کے پل پر پہنچی تو کھڑی ہوگئی، ڈرائیور نے اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی مگر بہت دیکھ بھال کے بعد کہا کہ ہرگز کوئی نقص نہیں اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں آگے نہیں جاتی۔ یہ وہ موٹر تھی جس کی چھت پختہ ہوتی ہے چھت ہٹ نہیں سکتی۔ مجبور ہو کر ارادہ واپس راولپنڈی کا کیا اور ایک ٹانگہ کھڑا کر کے اس پر سوار ہو گئے کہ راولپنڈی جائیں۔ اس کے بعد ڈرائیور نے موٹر کو واپس کیا تو اچھی طرح چل پڑی۔ پھر ہم اسی پر واپس راولپنڈی پہنچے اور دوسری موٹر کا انتظام کیا۔ تاکہ بالکل صبح کاذب کے وقت موٹر مل جائے۔ رات راولپنڈی رہے۔ میرے ساتھ ثانی صاحب اور دو اشخاص اَور تھے جو ہمارے اپنے خاص آدمی تھے۔ ان میں ایک غلام رسول بھی تھا۔ رات کو تقریباً تین بجے بعد نماز نفل میں نے غیر معمولی دعا کی جو اس سے پہلے کبھی نہ کی تھی وہ یہ کہ یا اللہ ہم کو بخیریت گھر پہنچا۔ جب یہ دعا زبان سے نکل چکی تو دروازہ سے باہر غلام رسول کھڑا تھا اس کو میری کوئی خبر نہ تھی وہ اکیلا باہر ٹہل رہا تھا ایک دم اس نے باآواز بلند یہ دعا کی کہ خدایا میرے واسطے آج ہی موت لا تاکہ میں مر جاؤں۔ چند منٹ گزرے تو موٹر آ گئی مگر اس کی چھت نہ تھی۔ ہم سب موٹر میں سوار ہو گئے اور موٹر روانہ ہوئی۔

پھر راول کے پل پر آ کر کھڑی ہوگئی۔ ڈرائیور نے کہا کہ اس میں ہرگز کوئی نقص نہیں ہے۔ بالکل درست ہے۔ بہرحال ایک گھنٹہ گذر گیا۔ موٹر کھڑی رہی۔ اس کے بعد ڈرائیور نے سٹارٹ کرنے کے لئے ہاتھ لگایا تو موٹر سٹارٹ ہوگئی اور روانہ ہوگئی۔ جب موٹر ٹول گیٹ سے دو میل کے فاصلے سے گزر رہی تھی جنوری کا مہینہ تھا۔ غالبًا 2 تاریخ تھی۔ منہ اور سر پر گرم کپڑے ڈالے ہوئے تھے تھوڑی سے غنودگی آ گئی۔ اس حالت میں مجھ کو نظر آیا کہ ایک شخص نہایت عظیم الجثہ، دراز قد، بڑے بڑے اس کے ہاتھ ہیں اور مجھ کو کہتا ہے کہ یہاں تمہاری موٹر گر جائے گی اور تم سب مر جاؤ گے اس لئے ''الحسیب'' اسّی (80) بار پڑھیں تو بچ جائیں گے۔ چنانچہ میں نے اُسی وقت پڑھا اور موٹر چلتی گئی ایک میل کے قریب فاصلے پر موٹر سڑک سے باہر ایک کھڈ میں گر گئی اور موٹر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ہم بچ گئے اور دوسرے دو آدمی مر گئے یعنی غلام رسول خان بھی فوت ہوگیا۔

چونکہ ''الحسیب'' میرے معمول وظائف میں داخل تھا اس لئے اسی اسم کے مؤکل نے یہ امداد کی۔ خدا نے اسی مؤکل سے یہ کام انجام دیا۔

اس کے علاوہ ذکر کی وہ صورت ہے کہ انسان خدا کی طرف متوجہ ہوا اور ذاتِ الٰہی کا قرب مقصود ہے اس توجہ سے بشریت مغلوب ہو کر ملکیت کے اثرات اور تقاضا غالب ہوا اور ذات کی طرف توجہ پیدا ہو کر ماسویٰ اللہ کی طرف سے خیال منقطع ہوا تو یہ حالت سیر فی اللہ کی ابتداء ہے اس میں بغیر ارادہ کام ہوتے ہیں اور جو خیال یا کسی کام کی تصویر دل میں آئی تو معاً وہ عمل میں آ جاتی ہے۔ گویا ذہن میں آنا ہی اجابت ہے۔ تکوینی امر ہے جس کی مثال درج ذیل ہے: -

مجھ کو بخوبی یاد ہے کہ میں ابتدائی زمانہ میں جبکہ جنگل میں تنہائی پسند تھا تو غوث الامت (والدمؒ) نے مجھ کو ایک جگہ جانے کا حکم دیا۔ میں جاتے وقت ایک گھوڑی پر سوار تھا۔ وہ گھوڑی بہت طاقتور اور تیز رفتار تھی۔ میرے ساتھ گھوڑی کے آگے کئی آدمی تھے پیچھے بھی تھے جو ہمارے ہمراہ تھے۔ جاتے جاتے راستہ میں ایک مکان کے ساتھ سے گزرنا پڑا اس مکان کی چھت راستہ کے اوپر بہت جھکی ہوئی تھی۔ راستے میں جاتے جاتے پیدل آدمی گزر گئے مگر نہ ان کو خیال آیا اور نہ ہی مجھ کو راستہ کا تصّور یا خیال ہوا۔ گھوڑی راستہ کے کونے پر پہنچ گئی۔ دو تین قدم باقی تھے مکان کی وہ چھت گھوڑی کی پیٹھ سے تھوڑی اونچی تھی مجھ کو فوراً چھت کا خیال آیا اور بجلی کی طرح فوراً گھوڑی سے اتر گیا اور گھوڑی تیزی سے آگے چلی گئی۔ چھت سے گھوڑی کی زین ٹکرا گئی اور زین ٹوٹ گئی۔ دیسی زین تھی اس کا ہنّہ اونچا اور بہت خوبصورت بنا ہوا تھا وہ ہنّہ بھی ٹوٹ گیا۔ اگر میں گھوڑی کی زین پر ہی بیٹھا رہتا اور نہ اترتا تو مجھ کو سخت ضرب آتی جس سے جان بچنا بھی مشکل تھی مگر خدا نے توفیق دی اور میں اتر گیا۔ اس واقعہ سے آپ حیران ہوں گے مگر میرے دل میں یہ خیال صرف اس وقت پیدا ہوا کہ یہ مکان غلط بنایا گیا ہے۔ اس مکان کی چھت دیوار کے ساتھ متوازی ہونی چاہیے تھی اور راستے پر زیادہ جھکی

ہوئی نہ ہونی چاہیے تھی۔ صرف دل میں ہی خیال آیا نہ میں نے کسی کو کہا اور نہ ہی دعا کی۔ خیال اضطراری طور پر تھا اختیاری نہ تھا۔ ہم چلے گئے مگر کچھ دن کے بعد واپس آئے تو گھوڑی پر ہی سوار وہاں سے گزرا مگر بعد میں مجھ کو اس کا خیال آیا تو دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ آپ کے جانے کے فوری بعد مکان کی چھت ٹوٹ گئی اور کاریگر پہلی کی طرح بناتے تھے مگر چھت اس طرح نہ بن سکی۔ لہذا موجودہ صورت میں تعمیر ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں محسوس کر لیا کہ یہ وہی نقشہ تھا جو میرے دل میں آیا تھا۔ ایسا معاملہ کئی بار ہوا کہ جب کوئی کام خیال میں آ جاتا ہے تو وہ کام اسی طرح ہو جاتا ہے۔ ورنہ دل میں کام کو لانے سے وہ اس طرح نہیں ہوتا اور نہ زور ڈالنے سے دل میں آ سکتا ہے۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست

اس امر کی کچھ حقیقت تو ناظرین کی سمجھ میں آ گئی ہوگی مگر کسی قدر اس کی حقیقت ذیل میں لکھی جاتی ہے یعنی اس صورت میں کہ انسان روبہ حق ہو تو بشریت مغلوب اور مقفل ہوتی ہے اور ملکیت حاکم اور عامل ہوتی ہے اور ملکیت زیرِ احدیت ہوتی ہے۔ اس حالت کے حرکات وسکنات **فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ** کی طرف سے ہوتے ہیں۔ گویا جو چیز اس وقت اس کے ذہن میں آتی ہے اس پر عملِ تکوین جاری ہوتا ہے۔ تکوین من قبیل کن فیکون ہے۔ مدعا یہ ہوا کہ انسان یا تو اس کیفیت کو پیدا کرے یا اس کی قسمت یاوری کرے تو ایسی حالت والے کے دل میں سما جائے۔ فقط۔

دقیق علوم کی تکمیل

میں ایک کتاب ''نیرِ اعظم'' پڑھ رہا تھا۔ اس کو پڑھ کر میں نے خیال کیا کہ اس کے اندر کئی امور لکھنے چاہیے تھے مگر کتاب والے نے نہ لکھے۔ ان کے اظہار اور قلم بند کرنے کیلئے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔ (1) علوم حکمیہ کی ضرورت (2) الفاظ وعبارت کی مہارت۔ چونکہ میرے دل میں وہ علوم تو موجزن ہیں جو ان علوم کا اصل ہیں مگر الفاظ وعبارت کافی نہیں۔ اسی طرح ''فصوص الحکم'' میں مسئلہ ارتقاء پر بحث دیکھی تو وہی خیال متحرک ہوا تو معقول اور معانی وغیرہ فنون کی تکمیل لازمی ہے۔ بلکہ زیادہ خواہش پیدا ہوگئی۔ کئی علماء بلائے گئے۔ جو دیوبند وغیرہ مختلف درس گاہوں سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے۔ جب ان کے سامنے کتابِ فن رکھی جاتی تو وہ ان پڑھ معلوم ہوتے تھے میں نے ان دنوں ''شافیہ'' شروع کر رکھا تھا اب یہ علماء مجھ کو نصیحت کرتے تھے مدقق علوم کو چھوڑ دیں بلکہ عمومی درسی کتابوں سے عبور فرمائیں۔ آخر کار حضرت مولوی گل احمدؒ صاحب آف ڈنڈوٹ بلائے گئے۔ یہ مولانا فضل حقؒ صاحب کے بڑے شاگرد اور جانشین تھے اور رامپور میں مدرس اعلیٰ اور ان علوم میں کامل تھے مگر انہوں نے کہا کہ دو صد علماء بڑی بڑی کتابوں کے

درس مجھ سے لیتے ہیں میں ان کو چھوڑ کر ایک آدمی کے لئے یہاں نہیں رہ سکتا۔ بہت کوشش سے ایک مہینہ رہنے کے لئے ان کو تیار کیا کئی کتابوں میں کئی مسائل میں مولوی صاحب نے مجھ کو آزمایا اور کہا کہ اگر دوصد بڑے علماء وہاں ہیں مگر آپ کو تعلیم دینا دو ہزار بڑے علماء سے زیادہ ضروری ہے۔اس لئے کچھ عرصہ یہاں رہوں گا۔ چنانچہ ایک سال قیام فرمایا اور نہایت توجہ سے تعلیم دی پھر تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا غلام کبریا خان صاحب بہاریؒ

اس کے بعد میں نے دعا کی کہ خداوند تعالیٰ ایسا عالم پہنچا کہ اس وقت زمانہ کے علماء کا بڑا عالم ہو جو میرے پاس قیام رکھے اور مجھ کو تعلیم دے۔ چنانچہ نہایت عجیب واقعہ ہوا کہ مولانا غلام کبریا خان صاحب بہاریؒ شمس العلماء اس وقت مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تھے۔ وہاں سے تارک دنیا ہو کر موہڑہ شریف آ گئے۔علم ادب سوائے مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے دوسری کسی جگہ مکمل طور پر نہیں پڑھایا جاتا تھا بلکہ یہاں اعلیٰ فاضل ادیب انگریز پروفیسر ہوتے تھے جو بڑی بڑی عربی تواریخ اور رسائل ایام جاہلیت کا ترجمہ کرتے تھے۔مولوی غلام کبریا خان صاحبؒ بھی بڑے عربی کے پروفیسر تھے اس کے علاوہ وہ قاری اور حافظ قرآن بھی تھے اور دوسرے مدارس میں تمام دینوی علوم بھی طے کر چکے تھے۔ نیز ان کی زندگی اعلیٰ حیثیت میں گزری تھی اور اب وہ رجوع الی اللہ ہو گئے تھے ان کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔

موہڑہ شریف کے قریب ایک گاؤں میں ایک شخص مسمّی حیدر خان رہتا تھا اس کی والدہ فوت ہو گئی۔ چالیس دن گزر چکے تھے۔ایک دن اس نے قرآن شریف کا ختم کرانے اور خیرات کا ارادہ کیا۔موہڑہ شریف آ کر حضرت پیر صاحب (والدمؒ) سے سوال کیا کہ آج علماء صاحبان میرے گھر تشریف لائیں اور قرآن شریف کا ختم پڑھیں۔ پیر صاحبؒ نے حکم دیا کہ جس کی خواہش ہو چلا جائے۔ چند علماء تیار ہو گئے۔مولانا کبریا خان صاحب بھی تیار ہوئے اور کہا کہ اتنے آدمی کیوں جاتے ہو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ وہ اکیلے ہی چلے جائیں۔ چنانچہ وہ گئے۔تقریباً دس بجے وہاں ایک پاک جگہ پر بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور نماز عصر تک ختم کر کے حیدر خان کو بلایا کہ قرآن شریف تو ختم ہو گیا ہے اب کس کو بخشنا ہے۔اس نے اپنی والدہ کو بخشوایا۔ دعا کر کے مولوی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ حیدر خان نے کہا کہ مولانا صاحب بہت سے لوگوں کا کھانا پکایا ہے آپ کے لئے چائے اور کھانا تیار ہے کھا کر جائیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ روٹی کھلاؤں گا۔ میں تو مردہ کی خیرات نہیں کھاتا۔اس نے کہا کہ چالیس دن گزر چکے ہیں۔مولوی صاحب نے کہا خواہ بیس برس گزر جائیں یہ علماء کا کام نہیں ہے۔ یہ کہہ کر فوراً واپس آ گئے۔حیدر خان نے آ کر یہ قصہ سنایا اور دوسرے علماء کو کھانا وغیرہ کھلایا۔

مولانا غلام کبریا خان صاحب نے کئی سال موہڑہ شریف میں گزارے اور مجھ کو علم نحو، ادب وعروض کی کتابیں، قصیدہ بردہ شریف، بانت سعاد، قلیوبی، دیوان علی، دیوان متنبّی وغیرہ کی تعلیم دی۔ حضرت پیر صاحب (والدمؒ) سے بیعت ہو کر مجاز ہوئے اور سورت بھڑوچ میں جا گزیں ہوئے اور ہزار ہا آدمی بمبئی سورت احمد آباد وغیرہ سے طریقت میں داخل کئے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ

ہمارے ایک استاد حضرت مولانا عبدالرحمٰن رئیس العلماء تھے۔ حضرت مولانا اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑہ شریف اور مولوی شاہ رسول صاحبؒ نے علوم صرف ونحو ومعقول ومعانی وحکمت وفلسفہ ہم سبق ہو کر پڑھے۔ مولوی شاہ رسول صاحبؒ سردار محمد ایوب خان بادشاہ کابل کے استاد مقرر ہوئے تھے اور پیر صاحب سیال شریف کی بیعت ہو کر دولت طریقت سے مالا مال ہوئے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ دیو بند تشریف لے گئے اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچے اور طویل مدت تک علوم تفاسیر اور احادیث کے اعلیٰ استاد مقرر ہوئے۔ بعد میں اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد کے پاس بلائے گئے اور افسر دینیات مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصہ گزار کر تارک الدنیا ہو کر مدینہ شریف تشریف لے گئے اور برابر چھ سال تک وہاں علوم تفاسیر اور احادیث کی تدریس کی۔ وہاں سے حسب الارشاد مالک الملک موہڑہ شریف پہنچے اور کچھ عرصہ قیام فرمایا مگر یہ بھی جنگل میں بیٹھتے تھے اس لئے میرے ساتھ ان کا اُنس ہو گیا اور مجھ کو مشورہ دیا کہ بقایا علوم کو ختم کرنا چاہیے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کے تھوڑے حالات محض اس لئے درج کئے جاتے ہیں کہ حضرت غوث الامت (والدمؒ) نے ان کو رئیس الخلفاء کیوں پکارا۔ مولانا کی علمیت یہ تھی کہ بڑے بڑے علماء حدیث اور معانی ان سے آ آ کر ملاقات کرتے اور تناقض احادیث جو بڑی بڑی درسگاہوں میں باقی رہے وہ ان سے آ کر سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چالیس علماء جو طبقہ علماء میں استاد جامع العلوم تسلیم شدہ تھے موہڑہ شریف آئے۔ ان میں سے حضرت فقیر اللہ صاحب بکوٹیؒ نے جمعہ پڑھنے پر زور ڈالا تھا اور بعض علماء مخالفت پر تھے۔ ان علماء نے مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کی ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور کہا کہ ہم ان سے ملنے کے لئے ہی آئے ہیں چنانچہ جنگل جھیکا گلی کی طرف وہ پوشیدہ رہتے تھے وہ بلائے گئے۔ شمس العلماء مولانا غلام کبریا خان صاحبؒ نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کو نہایت پُر زور ترغیب پر آمادہ کیا کہ معرکہ علماء میں آئیں اور علماء کو علمیت کی نصیحت دیں۔ چنانچہ علماء آئے حضرت مولانا نے علم صرف کے متعلق قانون وقواعد شافیہ کے بیان کئے اور امام سیبویہ صاحبؒ کا مذہب بیان کیا۔ بحوالہ

کتاب علماء نے صحیح تسلیم کیا۔اس کے بعد ان کتابی مسائل کو اور امام صاحب کی رائے کو غلط قرار دیا اور قانون پر قائم کیا۔ علماء حیران رہ گئے اور متفقہ الفاظ سے پکار اٹھے۔مولانا ''علمِ صرف'' میں آپ کو خدا نے اماموں کے برابر ملکہ عطا کیا ہے۔ اس کے بعد ''علمِ نحو'' میں اسی طرح مجلس علماء کے ساتھ اور بہت شرفاء موجود تھے۔تمام علماء نے کاغذات مسئلہٗ جمعہ کے متعلق حضرت مولانا کے سامنے پیش کئے۔مولانا نے فرمایا کہ یہ مسائل بالکل درست طریقہ پر لکھے گئے ہیں ان میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی کر سکتا ہے۔ یہ سن کر علماء خوش ہوئے مجلس برخاست ہوئی۔علماء صاحبان بڑے نامدار لوگ تھے انہوں نے آپس میں ذکر کیا کہ پنجاب اور سرحد میں مشہور تھا کہ شمس العلماء بہاری صاحب اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب موہڑہ شریف میں ایسے دو شخص ہیں کہ دنیا میں ان سے بڑھ کر اس وقت کوئی عالم نہیں۔مگر یہ ثابت ہوا کہ ہماری علمیت سے کچھ زیادہ اظہار علمیت دونوں نہ کر سکے تسلی ہوگئی۔اس بات کے ذکر پر تقریر کی اور علماء نے وہی الفاظ ادا کئے اس کے بعد مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے معقول میں تقریر کی۔تمام کلئے مستمرہ توڑ دیئے اور نیا معقول پیدا کر کے بتلایا کہ اس طرح معنی ہیں۔اس کے بعد قرآن مجید کی تفسیر بیان کی اور اپنا اجتہاد ظاہر کیا۔اب تمام علماء تصویر کی طرح خاموش اور بے حرکت تھے۔ بڑی دیر کے بعد خاموشی توڑ کر سب نے عرض کی کہ مولانا خدا کے واسطے ہمیں بتلائیں کہ یہ ملکہ آپ کو کہاں سے حاصل ہوا اور ہم اس کو کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔اس کے بعد مولانا نے ترک معاصی کا ارشاد فرمایا اور نصیحت فرمائی۔علماء کے آنسو نکل آئے یہ تو صرف ان کے علم کی حالت تھی۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن زیادہ جنگل میں رہتے تھے میں نے ایک آدمی مقرر کیا کہ وہ ان کو تلاش کر کے کھانا پہنچایا کرے مگر چند ایام میں وہ شخص نہایت تنگ ہوگیا۔مجھ سے آ کر بیان کیا کہ مولوی صاحب کو کھانا پہنچانا نہایت مشکل کام ہے ایک دن میں ان کو کلڈنہ کے نیچے والے جنگل میں تلاش کر کے پہنچاتا ہوں دوسرے دن وہاں نہیں ہوتے تمام دن تلاش میں گزر جاتا ہے تو وہ دو میل دوسری طرف ملتے ہیں۔آخر میں نے مولوی صاحب کو کہا کہ مولانا کھانا پہنچانے میں اس شخص کو تکلیف ہوتی ہے آپ کوئی جگہ مقرر فرمائیں تو بہتر ہوگا۔آپ نے فرمایا کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ کھانا نہ پہنچے اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس وقت دنیا میں کوئی چیز حلال میسر نہیں ہوتی خواہ کتنی ہی حلال ہو اس میں حرام کی جزو ضرور ہوتی ہے۔بہت تفصیل سے بیان کیا اور ثابت کیا۔اس لئے یہ حکم ہے کہ جب حلال کا ملنا دشوار ہو تو حرام یا مشتبہ چیز اس قدر کھانی جائز ہے کہ جس سے یہ ہلاکت موت سے بچ جائے۔اس لئے میں قوت لایموت پر گزارا کرتا ہوں جب یہاں آتا ہوں تو کھانے کی عادت ہو جاتی ہے اور پھر جا کر مشکل سے عادت بدلنی پڑتی ہے۔ میں نے بہت زور ڈالا تو دوسرے دن مولوی صاحب نے فرمایا کہ اب میں نفس پالنے پر متوجہ ہوگیا ہوں آپ بھی امداد فرمائیں۔ میں نے کہا آپ حکم دیں مولوی صاحب نے کہا ایک بوتل سرکہ منگوا دیں بڑے عیش سے گزارا کریں گے۔ چھ مہینے تک روٹی

کھانے کے لئے کافی ہے ایک چپاتی روز لیا کروں گا اس کے بعد یہ سلسلہ شروع کیا البتہ چائے پی لیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کا بدن چھوٹا تھا بہت پتلا بدن کل وزن شاید ایک من نہ ہوگا۔ چہرا پتلا، ہونٹ پتلے اور نازک جسم تھا۔ بات کم اور آہستہ آہستہ کرتے تھے۔ پگڑی سیاہ رنگ کی ہوتی تھی۔ قمیض کبھی سیاہ کبھی سفید گویا پھول بنانے والے نے ایک ریشمی گڑیا بنائی تھی۔ مولوی صاحب رئیس العلماء تھے، رئیس المتوکلین اور رئیس الفقرا تھے۔

ایک دن راولپنڈی سے راجہ فضل الٰہی بیرسٹر اور راجہ فضل حق صاحب نے بمبئی جانے کا ارادہ کیا اور مجھ سے مولانا صاحب کے نام چٹھی اور سفارش کی طلب کی میں نے دے دی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم مولانا صاحب سے دعا کرائیں گے۔ یہ معلوم کر کے ایک سیٹھ صاحب نے جوان دنوں موہڑہ شریف مقیم تھے مجھے کہا کہ میں بھی مولانا صاحب کا خادم ہوں آپ مجھے بھی ایک چٹھی لکھ دیں وہ زیادہ مہربانی فرمائیں گے۔ اب راجہ صاحب پہنچے تو مولانا صاحب نے ان کو چائے بھی پلائی اور گفتگو بھی فرمائی اور دعا کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد وہ سیٹھ صاحب بھی جا پہنچے اور ان سے ملاقات کی چٹھی دی مولانا بہت خوش ہوئے اور مولانا نے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ سیٹھ صاحب نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ والکلیسر (یہ جگہ بمبئی میں اوّل درجہ شاہی آبادی ہے) میں میری زمین بہت زیادہ ہے اور ایک کنال کئی لاکھ روپے سے ملتی ہے اور بہت اچھا موقع ہے حکومتِ وقت کی عمارات اسی طرف بنتی جارہی ہیں اور سب چیف صاحبان اسی طرف رہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ کے پاس جو لوگ آتے ہیں ان کے بیٹھنے اور رہنے کا انتظام ہونا چاہیے میں اس جگہ سے ایک کنال زمین آپ کے نام لگانا چاہتا ہوں اور اس میں ایک مکان تیار ہو جائے اور مکان کی رقم بھی میں اپنی طرف سے خرچ کروں گا اور ایک مکان چار لاکھ روپے میں تیار ہو جائے گا لوگوں کو آرام ہوگا۔ آپ صرف منظوری دے دیں۔ آپ کی اجازت ہونے پر فوراً یہ کام سرانجام دوں گا۔ مولوی صاحب اُس وقت مستان تالاب کراس گلی میں ایک چھوٹے سے حجرے میں رہتے تھے۔ اس پر مولوی صاحب نے سیٹھ صاحب سے دریافت کیا کہ اگر میں تم کو حکم دوں تو تعمیل کرو گے؟ اس نے عرض کی ہاں انشاءاللہ ضرور تعمیل کروں گا۔ یہ اقرار لے کر مولوی صاحب نے حکم دیا کہ جب تک تم زندہ ہو میرے پاس کبھی نہ آنا۔ سیٹھ صاحب خاموش ہو گئے اور ہمیشہ کیلئے افسوس اور رنج میں پڑ گئے۔

یہ قصہ میں نے اس لئے لکھا کہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ ان کا باطن کس طرح ضیائے ربانی سے مالا مال تھا وہ دوسرے حضرات کی طرح نہ تھے جو یہ تلاش کرتے پھرتے ہیں کہ کوئی ہم کو امداد دے۔

؎ بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

الغرض خدا نے میری دعا قبول کی، نہایت پاکیزہ خیال اور بے مثال عالم میرے پاس پہنچایا۔ ان کی تعلیم سے مجھ

کوعلوم کی تکمیل حاصل ہوئی۔ان مولانا صاحب نے مجھ کوعلم معقول سلّم العلوم سے شروع کرا کر پڑھایا اور معانی اور آسمانی علوم یعنی تصریح اور ہیّت ، ریاضی، شرح چغمینیا، احادیث، تفاسیر اور اجتہادی اصول کی تعلیم دی۔حضرت مولانا نے پیر صاحب (والدمؒ) سے بیعت ہو کر مجھ کوتعلیم دی۔اب وہ تو مجھ کوتعلیم دے رہے تھے مگر وہ چونکہ نہایت اعلیٰ استعداد رکھتے تھے اس لئے بہت تیز اور غیر معمولی ترقی اور تبدیلی ان کو واقع ہوئی بلکہ ظاہر و باطن بدل گیا۔تبدیلی ذہنیت کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ پہلی دفعہ حضرت مولانا نے مجھ کوتعلیم دینے سے فارغ ہو کر ایک فہرست اپنی قلم سے لکھ کر دی کہ ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے چنانچہ آپ بمبئی تشریف لے گئے۔میں نے وہ سب کتابیں اچھی طرح سے مطالعہ کیں۔واپسی پر میں نے ان کو فہرست مرتبہ دکھائی کہ ان سب کا مطالعہ میں نے اچھی طرح سے کرلیا ہے۔مولانا نے فرمایا کہ یہ کس بے وقوف نے لکھا ہے اب یہ فہرست دیتا ہوں کہ مطالعہ کرو خود بمبئی تشریف لے گئے۔جب موسم گرما میں واپس آئے تو مجھ کو حکم دیا کہ اجتہادی ملکہ حاصل کرنے کیلئے بڑی کتابوں کا مطالعہ کرنا لازمی ہے میں نے فہرست دکھائی۔مولانا نے فرمایا اوہو یہ فہرست تو کسی بے سمجھ نے لکھی ہے یہ کتابیں دنیا کی سب بیکار ہیں صرف قرآن شریف کافی ہے۔ایک مخصوص طریقہ قرآن شریف کے متعلق فرمایا۔کچھ عرصہ بعد فرمایا کہ یہ طریقہ غلط ہے قرآن شریف کی صرف ایک ہی آیت کافی ہے۔جب اس کی حقیقت سے آشکارا ہو جائیں تو دوسری آیت کی طرف توجہ کریں۔پھر تھوڑے عرصہ کے بعد فرمایا قرآن کا ایک اصلی جہان ہے وہاں پہنچنا ضروری ہے۔بغیر وہاں پہنچے سب نامکمل ہے۔قرآن والے کا علم ہی نہیں اور قرآن پکڑ رکھا ہے۔اب میں حیران رہ گیا۔درحقیقت مولانا صاحب اپنے عروج اور معیار سے گفتگو اور نصیحت کرتے رہے۔ان کے مدارج میں غیر معمولی ترقی ہو رہی تھی۔غوث الامت (والدمؒ) نے خاص لوگوں کو فرمایا کہ مولوی صاحب کی مجلس کرو اور مولوی صاحب کو حکم دیا کہ آپ نے علوم ختم کئے آپ اپنے شاگرد (**یعنی نظیر احمد**ؒ) کو بھی پڑھاؤ۔اس کے بعد مولوی صاحب دوسری طرز پر میری طرف متوجہ ہوئے اور یہ یاد نہ رہا کہ پہلے کا عرصہ کس طرح گزرا اب تو مولانا صاحب ان معارف اور علوم الٰہی کی سڑک پر دوڑ رہے تھے کہ علما اور اصفیا کو اس کا عکس بھی معلوم نہ تھا اور مجھ سے بعض اوقات احوال کا اظہار فرماتے تھے۔الغرض مولانا کے ساتھ مشاغل علمی ختم کرنے کے بعد جو واقعات گزرے وہ تو واجب الاستتار ہیں اور قابل اظہار نہیں۔یہاں تک کہ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اب ہم کتابوں کے محتاج نہیں ہیں کتابیں ہماری محتاج ہیں۔اگر مولانا کے فضائل وعلوم ظاہری و باطنی کے حالات لکھے جائیں تو ایک مستقل کتاب بنتی ہے۔

استاد صاحبان

اب ذیل میں اپنے استاد صاحبان کا مختصر نقشہ درج ذیل کرتا ہوں جن سے میں نے علمی استفادہ کیا۔

استاد صاحبان	تحصیل علوم
مولوی فضل داد خان صاحبؒ سکنہ سانج۔مری	اردو، گلستان فارسی وغیرہ، حساب و کتابت
حافظ غلام محمد صاحبؒ کیمبلپور	بوستان فارسی، زلیخا، سکندر نامہ، مثنوی شریف
مولوی غلام رسول صاحبؒ چمنکہ ضلع ہزارہ	فارسی کتب، صرف اور نحو کی کتابیں، فقہ شریف، منیۃ المصلی، قدوری، شرح الیاس، کسیری، کنز الدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ، درالمختار، قانونچہ، کھیوالی
شمس العلماء مولانا غلام کبریا خان صاحب بہاریؒ	علم ادب، صرف و نحو، عروض کی کتابیں، قصیدہ بردہ شریف، بانت سعاد، قلیوبی، دیوان علی، دیوان متنبی وغیرہ
مولانا گل احمد صاحبؒ ڈنڈوٹ مردان	قصائد ایام جاہلیت، حماسہ، سبع معلقات، قلیوبی
حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ وحید العصر	معقول، سلّم العلوم، معانی، ریاضی، تفسیر و حدیث اور اجتہادی اصول، تصریح، ہیئت، شرح چغمینی
حضرت مولانا حاجی سید محمد ہاشم صاحبؒ قادری، سید البواب، باب النساء، مسجد نبوی، مدینہ شریف	قرأت، قرآن خوانی۔

یہ تمام صاحبان ہمارے اساتذہ کرام ہیں اور اصحابِ حق ہیں ان کے بے شمار احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے اسمائے شریف لکھے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ہماری ناچیز خدمت میں سے خدا ان کو حصہ وافر عطا فرمائے۔

ان علوم کے بعد انجیل کی تعلیم پادری رام سنگھ نے دی اور اس کے بعد زبور اور تورات کو بھی بغور پڑھا۔ قرآن شریف میں اس طرح ضروری تعلیم ہے جس طرح کہ ہر چیز، ہر علم، ہر واقعہ کا مرکز یا منبع۔ ان دوسری آسمانی

کتابوں میں وقتی قصے اور حالات جزوی ہیں اور پیغمبر کی صداقت ہے لیکن آئندہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو ان کے حالات اور واقعات پر رہنمائی نہیں کر سکتیں اور آدمؑ کے اول کے حالات کو بھی نہیں بتلا سکتیں۔

حقیقتِ مذاہب

دنیا میں مختلف علوم، مختلف خیالات اور مختلف حالات و واقعات ہر صدی میں رونما ہوتے ہیں اور ہر وقت کے موافق مخلوق کو ترقی ہوتی ہے اور ترقی کے مقابل مناسب امراض مہلک پیدا ہوتے ہیں۔ ابتدائے زمانہ میں لوگوں پر یہ زمانہ آتا تھا اور لوگ اس حالت پر آتے تھے تو فنا ہو جاتے تھے اور یہی علاج فنا کافی تھا اور یہی از روئے عقل بھی کافی تھا۔ کیونکہ وہ پیغمبر اسی قوم کیلئے، اسی واقعہ اور اسی وقت کیلئے ہوتا تھا اس لئے علاج یا لا علاج ظہور میں آتی تھی۔

سب پیغمبر اور آسمانی اور الہامی کتابیں سب دین کی جزو ہیں اور دین خود اقوام اور زمانہ ہائے ماضی، حال و مستقبل پر حاوی ہے۔ دین حاوی الکل جزو اور کل حقیقتِ محمدیﷺ ہے۔ حقیقتِ محمدیﷺ کے دو رُخ ہیں ایک خالق کی طرف اور دوسرا مخلوق کی طرف۔ اور دین کے اس رُخ میں جو رو بہ خالق ہے محمدﷺ اس کے مظہر اور تابع ہیں۔ مگر حقیقتِ محمدیﷺ کا جو حقیقی رُخ ہے دین خود اس کے تابع ہے۔ یہ مسئلہ وہاں تک پہنچانا کہ اس کی تشریح عوام کی سمجھ کے مطابق ہو غلطی ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے علم اور عقل عالم بالا سے حاصل کرنی چاہیے۔

الغرض تحقیق کا زمانہ ذریعہ علوم بن گئے اور حقیقت واقعی پر پہنچنے کا سبب بن گئے اس زمانہ میں میں نے ان علوم اور معارف کو بھی ملاحظہ کیا جو اِس وقت غیر مذاہب ہیں مگر اصلی دائرہ ان کا بھی مذہب صادق کی جزو ہے اس لئے حقیقت مذہب کوئی مذموم یا بر ُمی چیز نہیں بلکہ واقعیت پر مبنی ہے۔ حالات فروعی غلط ہیں۔ اس طرح حقیقی دین کے حالات فروعی دین سے خارج ہیں جو اس وقت اختلافِ مذاہب کے اسباب ہیں وہی اختلافِ ادیان کا بھی سبب ہیں ورنہ علوم اور معارف جو سکھوں کے پاس ہیں اور ہنود کے پاس ہیں وہ موجودہ ہنود کے نہیں ہیں بلکہ انبیاء کے ہیں جن کو ادل بدل کر دیا گیا ہے۔ موجودہ ہنود وغیرہ تو اس مغالطہ کے شکار ہیں جو ان کو شیطان نے سکھایا۔ **علی هذا القیاس**

یہودی اور عیسائی وغیرہ سب اصلی اور حقیقی دین سے ملحق ہیں۔ دوسرا دین تو ہرگز دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ سب دین ایک ہی دین سے متعلق ہیں وہی چیز مغالطہ ہے جو دین میں سے ان لوگوں نے اختیار کر لی۔ وہی دین سے مفارقت کا سبب بھی ہوگئی۔ عام طور پر جو الفاظ عربی زبان میں اللہ، پیغمبر، ہدایت، روحانیت وغیرہ کے واسطے مقرر ہیں اگر ان کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا جائے تو وہی الفاظ ہو سکتے ہیں جو اب ہنود کے اصلی علوم اور معارف میں ہیں اگر ان الفاظ کا ترجمہ عربی میں کیا جائے تو یہی الفاظ حاصل ہوں گے جو روز و شب ہماری زبانِ علمی نے ہم کو سکھائے ہیں۔ اس طرح

باطن کی اصلاح کیلئے بھی مطابقت اصولی ہے اور مخالفت اصولی بنا پر نہیں بلکہ مخالفت ذہنی اور فروعی ہے۔ اگر اس چیز کا نتیجہ مفید برآمد ہو سکے تو میں ایک کتاب کی صورت میں عقلی اور نقلی دلائل سے اس مضمون کو ثابت کر سکتا ہوں مگر یہ ایک تضیع اِوقات میں داخل ہے اس لئے متروک ہے۔ عوام کو اس پر حیرت ہوگی کہ میں مسلمانوں، سالکوں، عالموں میں بیٹھوں تو مجھ کو یہ طبقہ اپنا رہنما خیال کرتا ہے اور اگر میں ہنود کے حلقہ میں بیٹھوں تو وہ مجھ کو اپنا رہنما خیال کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ میں فروعی چیز متروک کرتا ہوں اور اصول پر نظر رکھتا ہوں مگر تمام مذاہب اور ادیان میں نقائص در آئے ہیں۔ صرف قرآن اور سیرت محمدﷺ ہی حقیقت وصداقت ہیں۔

اپنی نسبت اور جذبہ کو مخفی رکھنا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں شملہ میں مقیم تھا۔ دیوان ٹیک چند صاحب اور رام رتن صاحب روزانہ مجھ کو سیر کے لئے لے جاتے تھے۔ ایک مہینہ میرے رفیق اور دمساز رہے یہاں تک کہ دُور سے بھی میری طرف پشت نہ کرتے تھے اور میرا حکم اس طرح مانتے تھے جس طرح کہ اپنے اصلی موجد مذہب کا مانا جائے۔ میں شملہ سے واپس آنے لگا تو وہ بھی چلے آئے۔ راولپنڈی پہنچے تو سرکٹ ہاؤس (Circuit House) میں ٹھہرے۔ میں رات کو ہمیشہ ان سے علٰیحدہ رہتا تھا۔ اس دن میں رات کو باہر ایک درخت کے نیچے چار پائی بچھا کر سو گیا جب دیوان صاحب آئے تو میرے کمرے میں مجھ کو نہ پا کر جلدی سے باہر آ کر مجھے دیکھا اور جلدی سے اپنی چار پائی باہر نکال کر میری چار پائی کے قریب بچھالی بہت زور سے کہا مگر وہ نہ مانے ان کی عادت تھی کہ مجھ سے علٰیحدہ ہونا ان کو سخت ناگوار تھا۔ رات کے وقت سید محمد امیر شاہ صاحب مدینہ گجرات کے بزرگ آدمی میرے پاس آئے ان کے علاوہ منشی چراغ دین صاحب اور کئی اور مسلمان یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ دیوان صاحب یہ دیکھتے رہے اور اٹھ کر دیوان رام رتن صاحب کو کہا کہ یہ لو ایک عجیب معاملہ ہوا ہے وہ یہ کہ لوگ پیر صاحب کو مسلمان کہتے ہیں۔ یہ کیا وجہ ہے کیا واقعی پیر صاحب مسلمان ہیں۔ ایسا اس لئے ہوا کہ عرصہِ رفاقت میں ان کو یہ ہرگز علم نہیں ہو سکا کہ میرا مذہب کیا ہے۔

کوتاہ اندیش آدمی اس پر اعتراض کر سکتا ہے مگر جو لوگ وسعت نظر رکھتے ہیں ان کو اس کا علم ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے کسی کام کو قیمتی سمجھتا ہے اس کو مخفی رکھتا ہے اس عمل کو سالکوں کی اصطلاح میں ضبط کہا جاتا ہے اس میں یہ صورت اخفاء اس طرح لازم ہے جس طرح عورت اپنی مخصوص مرض مخفی رکھنا ضروری خیال کرتی ہے۔ اسی طرح اپنی نسبت اور جذبہ کا مستتر رکھنا ضروری ہے کیونکہ فی الحقیقت یہ چیز واجب الاستتار ہے یہ خواص کے سلسلہ کی بات ہے۔ عوام تو عالم ہوں تو علم کا اظہار کرتے ہیں حاجی ہوں تو حج کا اظہار کرتے ہیں بعض ایسے ہیں جو چیز نہیں اس کا وجود بھی

ثابت کر کے دکھاتے ہیں۔ دراصل ہر وہ شخص جو حقیقی دین دار ہونا چاہے اس کی نگاہ حقیقت ہی پر منحصر رہنی چاہیے۔ دین میں فروعی اختلافات بالخصوص اسلام میں فروعی اختلافات وتفرقہ ایک علمی جہالت ہے۔کوئی فرقہ دوسرے فرقہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتا بلکہ گمراہ سمجھتے ہیں۔اس لئے سب کو غلط ماننا بھی اسی کے مترادف ہے کہ سب کو صحیح مانا جائے اس طرح بھی وہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سب غلط ہیں،شہادت سب کی منظور ہے۔

حقیقت علوم

الغرض تمام علوم عربیہ اور اسلامیہ علوم کلی نہیں ہیں بلکہ علوم کے جزو ہیں۔علم کلی وہی ہے جس کیلئے تمام صحیح علوم اور تمام غلط علوم جزو قرار دیئے جاسکیں۔ جب انسان اپنی حقیقت میں اونچا ہوجائے تو علوم سے بالاتر حقیقت اس کے سامنے آجاتی ہے اور وہ حقیقت عالم مطلق پر دلالت کرتی ہے تو عالم مطلق کا ہی علم،علمِ کلی ہے اور اس کا مظہر ذات محمد ﷺ ہیں۔اس وجود کا دستور العمل ہی دین حق ہوا۔جس کی تفصیل معلومات،مفہومات ومعمولات ہیں۔اب دستور العمل محمدی ﷺ کا علمی وجود ہی دینِ حق ہے اور دینِ حق کا عملی نمونہ ذات محمد ﷺ ہے جس طرح سب مکانوں میں روشنی علیحدہ علیحدہ ہے مگر سب روشنی سورج کا عکس ہے جس مکان میں بھی ہے سورج ہے دوسری چیز نہیں۔

اسلام کا دوسرے ادیان سے تقابل

ایک دفعہ بابو تجمل حسین کی درخواست پر انگلینڈ والوں کے ملاحظہ کیلئے یہ حقیقت مفصل طور پر لکھی تھی جس سے واضح ہوسکتا ہے کہ ہر انسان کیلئے کونسا دین لازم ہے جو فطرت انسانی سے قریب ترین ہو۔اس مضمون کو بصورت رسالہ لکھا تھا جس کا نام TRUTH (حقیقت) رکھا گیا۔امید ہے کہ کسی دوسرے مقام پر اس کی وضاحت کی جائے گی۔ یہاں صرف اس قدر اظہار مقصود ہے کہ میں نے تمام علوم دینیہ کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور اسلامی علوم سے جب تقابل کیا تو باقی سب ادیان کی نفی ہوگئی اور دین اسلام ثابت ہوا تو میں مسلمان ہوا۔اس لئے نہیں کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا تھا حقیقتِ دین واضح ہونے پر اس کے سوائے سب عقائد معدوم ہوگئے صرف محمدی دستور العمل باقی رہا۔

مجھے یہ حالت نصیب ہوئی کہ جس قدر ممنوعات کتابوں میں درج ہیں جن کو حرام یا گناہ سمجھا جاتا ہے اگر کوئی ایسا حکم ہو کہ سب حلال اور جواز میں داخل ہیں تو بھی میری ذاتی طبیعت ان چیزوں کو حرام اور گناہ ہی سمجھے گی۔اس لئے کہ بغیر حکم اوامر ونواہی ان اشیاء کی حقیقت مجھ پر آشکارا ہوچکی ہے جس کی وجہ سے انہیں حرام یا گناہ بتلایا گیا ہے اب اس حکم سے اوّل میری نگاہ اس چیز کی حقیقتِ خبیثہ پر پہنچ چکی ہے حکم اس سے بعد کا ہے۔

اس زمانہ میں خواص کے دائرہ میں کلی علیمت کے مشاغل مشہور تھے اس لئے نارہ دو بیرن تحصیل کھوٹہ کے سکھوں نے آریہ سماج والوں کو دعوت دے کر میرے ساتھ مباحثہ کرایا تھا۔ یہ واقعہ ماہ جولائی 1911ء میں اخبار سنسکرت اور سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور میں شائع ہوا تھا اور آریہ سماج والوں نے میری مجلس میں اپنی سب مذہبی قرار دادیں غلط تسلیم کر لی تھیں اور مان لیا تھا کہ آریہ سماج کا مذہب منافقت پر مبنی ہے اور یہ سکھ اپنے آپ کو سکھ نظیری کہلاتے تھے۔ یہ اس لئے بتایا گیا کہ ہمارے علماء کا دستور ہے کہ جب دو عالموں کی ملاقات ہو اور کسی مسئلہ پر گفتگو کریں تو مارے غصّے کے دونوں کانپنے شروع ہو جاتے ہیں اور علمی دلائل تو مفقود ہو جاتے ہیں، بد اخلاقی پر اتر آتے ہیں اور اگر کبھی کسی بے دین آدمی سے ملیں تو وہ برتاؤ کرتے ہیں کہ وہ آدمی آئندہ تمام زندگی کسی مولوی کو دیکھنا موت خیال کرتا ہے۔ یہ اخلاقِ رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ یہ غیر مذاہب والوں سے تو فولادی دیوارِ مغائرت قائم رکھتے ہیں۔ ان کو دیکھنے سے جان بلب ہو جاتے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ صورتِ عملی تبدیل کرنا اسلام کا خاصہ ہے مخلوقِ خدا سے محبت اور شفقت سے پیش آنا چاہیے۔

لاٹ پادری لاہور اور مسٹر گریفن کا واقعہ

پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان میں چند لوگوں نے اپنی شعبدہ بازی کو روحانی قوت کا رنگ دیا۔ چنانچہ 1920ء کا واقعہ ہے کہ ایک انگریز پادری (جو لاہور میں لاٹ پادری تھا) موہڑہ شریف آیا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز مسٹر گریفن، مولوی جمیل الدین عیسائی اور چند دیگر عیسائی رفقاء بھی تھے۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ پادری حضور غوث الامت والدمؒ کی ملاقات کا خواہاں ہوا چنانچہ ایک معین وقت پر حاضر ہوا۔ ان کی جماعت بھی حاضر تھی اور حاضرینِ دربار جو ملاقات کیلئے موجود تھے وہ بھی اکٹھے ہوئے۔

پادری نے تقریر کرنے کی اجازت مانگی۔ حضرت پیر صاحب نے مجھے بلایا اور پادری کو تقریر کرنے کی اجازت دی۔ پادری نے مذہبِ عیسائیت کی سچائی پر گفتگو شروع کی اور زمانے کے تغیر پر بحث کی اور دورانِ گفتگو کہا کہ گزشتہ زمانہ ارتقاء ادنیٰ میں تھا اس زمانہ کے لوگوں نے ان کو جو محض چند حیرت انگیز واقعات دکھا دیتے ان کو نبی اور ولی تسلیم کر لیتے اب زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے۔ اس زمانہ میں مسٹر گریفن وہی معجزات دکھلاتے ہیں جو پیغمبروں نے دکھلائے مگر لوگ ان کو نبی یا ولی نہیں مانتے حالانکہ یہ بالکل وہی چیز ہے اگر وہ نبی اس زمانہ میں ہوتے تو ان کو بھی لوگ شعبدہ باز ہی کہتے اور اگر گریفن اُس زمانہ میں ہوتے تو ان کو وہ ضرور پیغمبر مان لیتے۔ سلسلۂ تقریر اس حد تک پہنچا تو میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے پادری سے کہا آپ بیٹھ جائیں آپ کا مدعا ہم سمجھ گئے ہیں۔ وہ بیٹھ گئے۔ وہاں بہت سے علماء بھی تھے، صوفی بھی تھے اور

دوسرے شرفاء بھی موجود تھے۔ میں نے صرف یہ کہا کہ اگر پادری کے مذہب کی صداقت کا ثبوت گریفن دے تو ہم کو تسلی ہوگی۔ پادری خوش ہوا۔ پادری نے کہا کہ اگر ایک ہزار گز رسہ سے گریفن کو باندھا جائے تو یہ وَن، ٹو، تھری بولیں گے تو رسہ ٹوٹ جائے گا اور یہ نکل آئیں گے، اگر کاغذ پر مضمون لکھ کر جلا دیا جائے تو اس کی راکھ گریفن کو دکھائی جائے تو اس کا مضمون یہ سنا دیں گے، ایک وزنی پتھر تقریباً پچاس 50 من ان کے سینے پر رکھا جائے اور لوہے کے بادان مارے جائیں تو پتھر ٹوٹ جائے گا اور ان کو ضرب نہیں لگے گی، چلتی موٹر کھڑی کر کے پکڑ رکھنے سے ان کے ہاتھ سے ہرگز نہیں چھوٹتی، بیمار لوگ سامنے آجائیں تو یہ ایک نظر سے ان کو اچھا کر دیتے ہیں اور پچاس من لکڑی جلائی جائے تو اس کے انگاروں کی تیز آگ میں گریفن بیٹھ جائیں گے اور ان کا بدن نہیں جلے گا۔ انہوں نے یہ باتیں بیان کیں مگر مجھے بہت جوش تھا میں نے ان کی باتوں کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ میں نے پادری سے کہا کہ مصلحت صرف ایک ہی ہے کہ گریفن ہر معاملہ میں میرے ساتھ مقابلہ کریں اگر یہ کامیاب ہوگیا اور میں ناکام ہوا تو میں ان کی جیت تسلیم کرلوں گا۔ اگر میں کامیاب ہوجاؤں اور گریفن ناکام رہے تو یہ مسلمان ہوجائے گا کیونکہ پادری کا مذہب صاف غلط ہے۔ یہ تحریری اقرار ہونا چاہیے تا کہ مقابلہ شروع ہو۔ یہ گفتگو گریفن نے سنی اور کہا کہ مری کے لوگوں نے 1857ء میں انگریزی حکومت کے خلاف سازش کی تھی تو فوج کے بغیر پولیس ہی کافی ہوگئی تھی۔ اسطرح میری طرف سے کرامت اور روحانی طاقت کے مظاہرے کی ضرورت ہی نہیں، میں جسمانی طاقت سے ہی آپ کو نچوڑ کر لیموں کی طرح ٹھیک کر دوں گا اور غرور سے باتیں کیں۔ میں نے کہا مقابلے کے میدان میں لوگوں کو اس کی صداقت معلوم ہو جائے گی اور میں اس کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ اقرار نامہ تحریر ہوگیا اور اس روز دن کے چار بجے کا وقت مقابلہ کیلئے مقرر ہوا۔ اس وقت غالباً دس بجے تھے۔ پادری ایک درخت کے نیچے چار پائی پر آرام پذیر ہوا اور میں مسجد کے نیچے کی طرف ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پادری اور ان کے ساتھی تو سو گئے مگر گریفن کو نیند نہ آئی وہ آہستہ سے میرے پاس آیا اور گفتگو کی کہ آپ کیا کام جانتے ہیں۔ میں نے کہا میں سب کچھ جانتا ہوں مگر مجھ کو اب کچھ یاد نہیں اور نہ کسی چیز کی ضرورت ہے صرف سینہ میں محبتِ رسولﷺ کا جوش ہے اور وقت کا انتظار ہے۔ انشاءاللہ آپ کی موت میرے ہاتھ سے ہوگی۔ میری نظر میں آپ کی یا کسی اور طاقت کی ایک ذرہ بھر بھی اہمیت نہیں ہے۔ آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

میری گفتگو سے گریفن کا چہرہ زرد ہوگیا۔ واضح ہو کہ میں ہرگز اس فن سے کچھ بھی نہ جانتا تھا بلکہ میرا خیال بہت مضبوط تھا کہ تمام چیزیں رسول اللہﷺ کے تابع فرمان ہیں اور میں ان ہی کا نوکر ہوں جو کچھ کروں گا وہی ہو جائے گا۔ اس امر کا مجھے غیر متزلزل یقین ہوگیا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے۔

مَرِیۡدِیۡ هِمۡ وَطِبۡ وَاشۡطَحۡ وَاغۡنِ
وَافۡعَلۡ مَا تَشَاء فَالۡاِسۡمُ عَالِیۡ

(اے میرے مرید ''قصد'' کرخوش ہو اور بے پرواہ اور بے نیاز ہوجا اور جو
چاہے کر کیونکہ میرا نام بلند ہے)

جبکہ رسول اکرمﷺ کے خادموں کا یہ دعویٰ ہے تو ہم کو رسول اکرمﷺ کا نام ہی کافی ہے چنانچہ اس معاملہ میں بھی وہ کافی ہوگیا اور میں غالب آ گیا۔ یہ قصہ اس لئے لکھا کہ بعض کمزور ایمان والے جب کوئی تعجب کی چیز دیکھتے ہیں تو پریشان ہوجاتے ہیں اور اپنے آپ کو اور اپنے مذہب کو مجبور اور عاجز خیال کرتے ہیں یہ ان کی خام خیالی ہے رسولِ خداﷺ پر حقیقی اعتماد ہونا چاہیے کہ اس کو کوئی چیز تبدیل نہ کرسکے۔

الغرض گریفن پر گھبراہٹ غالب آ گئی۔ اس نے کئی سوالات کیے۔ میں نے یہی جواب دیا کہ میری طاقت کا پتہ آپ کو جلد لگ جائے گا۔ گریفن بے تاب ہوگیا اور عاجز ہوکر مجھے درخواست کی کہ دیکھو جی یہ ہمارا روزگار ہے کسی کے روزگار میں خلل ڈالنا شرافت نہیں آپ بے شک مجھ سے بڑی طاقت رکھتے ہیں۔ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ پادری سویا ہوا ہے اس کو علم نہیں ہونا چاہیے میں آپ کی مدد کروں گا آپ میری مدد کریں۔ اس پر میں متوجہ ہوا۔ چنانچہ گریفن نے موٹر کھڑی کرنے کا طریقہ بیان کیا اور پتھر توڑنے کا طریقہ بتلایا اور دوسرے کرتبوں کا بھی ذکر کیا اور یہ کہا کہ تمام عمر میں نے ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا جو اس قدر جلدی یہ باتیں سمجھ جائے مگر وہ آگ والا معاملہ ذکر کرنا بھول گیا۔ مجھ کو بھی یاد نہ رہا اب وہ جا کر سو گیا۔

ظہر کی نماز ہوگئی بعد میں دربار شریف منعقد ہوا۔ چنانچہ غوث الامت پیر صاحبؒ کی نشست گاہ چلّہ شریف کے سامنے باہر صحن میں مقابلہ شروع ہوا۔ پیر صاحب اندر سے دیکھ رہے تھے تمام انگریز اور ان کے ساتھی موجود تھے۔ زمین پر بڑی دری بچھا دی گئی اس پر گریفن لیٹ گیا ایک بڑا پتھر لا کر اس کی چھاتی پر رکھا گیا۔ میں نے خود اپنے ہاتھ سے بادان اس پر مارے چنانچہ مارتے مارتے وہ پتھر ٹوٹ گیا اور گریفن اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد فوراً میں بھی لیٹ گیا۔ اسی اندازے کا پتھر میری چھاتی پر بھی رکھا گیا اور گریفن بادان مارتا رہا یہاں تک کہ پتھر ٹوٹ گیا۔ اسی طرح سوائے موٹر کے سب کام برابر نکلے کیونکہ موٹر وہاں موجود نہ تھی۔ اب گریفن خاموش تھا مگر انگریز پادری سخت حیران تھا۔ اس کے بعد حضرت پیر صاحبؒ نے حکم دیا کہ اس کو اب آگ میں جلاؤ۔ پچاس من لکڑی جمع کر کے جلا کر اس کو بٹھانا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن آگ کا پروگرام ہوا۔ اب آگ کے لئے پچاس من لکڑی جمع کرنا اور جلانا بھی ایک دن کا کام تھا مگر

گریفن اسے ٹالنا چاہتا تھا۔اس لئے ہم نے اس کو نہ چھوڑا۔تجویز قرار پائی کہ ایک جگہ آگ جلا کر لوہے کا بڑا توا جو لنگر کی روٹی پکانے کے کام آتا ہے اس پر رکھا جائے جب یہ توا خوب سرخ ہو جائے تو اس پر گریفن بیٹھ جائے۔ چنانچہ آگ جلا کر لوہے کا بڑا توا اس پر رکھا گیا جب خوب گرم ہو گیا تو گریفن کو کہا گیا کہ وہ اس پر بیٹھے۔اس نے صاف انکار کر دیا۔ سبھی نے اس کو ملامت کی تو اس نے کہا میں تو یہ کام نہیں کر سکتا تم اس پر کھڑے ہو جاؤ میں تسلیم کر لوں گا۔ میں نے اس کے اقرار کرنے پر ارادہ کیا۔ایک طریقہ یاد تھا تھوڑی سی مٹی لے کر دم کر کے پاؤں پر لگا دی اور اس پر کھڑا ہو گیا سب نے دیکھا۔ جب میں نے اپنا پاؤں جوتی میں رکھا تو جوتی جل گئی۔اب گریفن تو ذلیل ہو کر بھاگ گیا پادری اور اس کے ساتھی بھی بہت شرمندہ ہوئے اور وہاں سے چلے گئے۔ جب گریفن آیا تھا تو وہ کوہ مری کی گورا پلٹن والوں کو اپنے کرتب دکھا کر ہزاروں روپے ٹکٹ پر وصول کر کے آیا تھا۔اب جب موہڑہ شریف میں یہ واقعہ پیش آیا تو گورا لوگ بار بار مجھے دیکھنے آتے کہ وہ کون سی ہستی ہے جس نے گریفن کو شکست دی۔سینئر آفیسرز بھی آتے رہے یہاں تک کہ راولپنڈی کی فوجی کمانڈ کے جنرل آفیسر کمانڈنگ جنرل برڈ وڈ (Bird Wood) بھی آئے جو بعد میں انڈین افواج کے کمانڈر ان چیف بنے۔انہوں نے اپنی سوانح حیات "KHAKI AND GOWN" میں موہڑہ شریف میں اپنی آمد کا خوب ذکر کیا ہے اور اپنے تاثرات بیان کیے ہیں۔ان کی سوانح حیات سے اقتباس شامل کتاب ہے۔

میں نے نہ اس کام کو پہلے دیکھا اور نہ ہی سیکھا تھا۔محض انبیاء علیھم السلام کی توہین کے بیان سے جوش میں آیا اور درود شریف ابراہیمی (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) پڑھ کر مٹی پر دم کر کے پاؤں پر ڈالی تھی ہرگز کچھ اور بات نہ تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز کا رعب اور دبدبہ پورے عروج پر تھا اور عیسائی پادری مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ بعد ازاں کسی عیسائی پادری کو بھی موہڑہ شریف یا قرب و جوار میں آنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی اس علاقہ میں کبھی کوئی مناظرہ ہوا۔حالانکہ کوہ مری شہر میں ان کے کئی دفاتر موجود ہیں۔

جنرل برڈ وڈ (Bird Wood)

فیلڈ مارشل لارڈ برڈ وڈ ''سابق کمانڈر ان چیف'' انڈیا نے 1921ء میں اپنی خود نوشت سوانح عمری بزبان انگریزی "KHAKI AND GOWN" میں جس کا مقدمہ ونسٹن چرچل سابق وزیر اعظم برطانیہ نے لکھا ہے دربار عالیہ موہڑہ شریف اور غوث الامّت حضرت بابا محمد قاسمؒ کے متعلق صفحہ 365 پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ان کا اردو ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

ترجمہ اقتباس کتاب (KHAKI AND GOWN) صفحہ نمبر 365

"میں مختلف فوجی تنصیبات کے معائینوں کے بعد موسم گرما کے ہیڈ کوارٹر مری واپس پہنچا۔ شملہ پہاڑوں کے برعکس جہاں اکثر آبادی ہندوؤں کی ہے جو فوج میں بہت کم بھرتی ہوتے ہیں مری پہاڑوں کے علاقہ میں تمام مسلمان آباد ہیں۔ ان میں کئی فوجی پنشن یافتہ ہیں۔ میں نے اس خوبصورت اور پُر فضا علاقہ میں بہت دور تک پیدل سفر کا لطف اٹھایا۔ موہڑہ شریف کے پہاڑی علاقہ میں ایک بزرگ مسلمان پیر صاحب سے ملا۔ جو وہاں عرصہ 40سال سے بیٹھے تھے اور ان کے مریدان کونذرونیاز پیش کرتے تھے۔ وہ بزرگ اس علاقہ میں بہت ہی عزت اور وقار کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت ان کی دہلیز، بستر، ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیتے تھے۔ میں اس عظیم اور بزرگ ہستی کو مل کر بہت متاثر ہوا۔"

KHAKI AND GOWN

An Autobiography

By

FIELD-MARSHAL LORD BIRDWOOD

OF ANZAC AND TOTNES

G.C.B., G.C.M.G., G.C.V.O., C.I.E., D.S.O., LL.D., D.C.L., D.LITT., M.A.

With a Foreword by

THE RT. HON. WINSTIN CHURCHILL, C.H., P.C

"A soldier," cried my Uncle Toby, interrupting the Corporal, "is no more exempt from saying a foolish thing, Trim, than a man of letters."
"But not so often, an' please your Honor," replied the Corporal.

-Tristram Shandy.

WORD, LOCK & CO., LIMITED
LONDON AND MELBOURNE

I then went off on a round of inspection, returning to my summer headquarters at Murree in due course, Unlike the Simla hills, where the population is preponderantly Hindu and whence few men take service in the army, the hills around Murree are peopled by Mussalmans, many of them old soldiers. I greatly enjoyed my long walks through this lovely country. At Mohra Sharif (i.e. 'Holy' Mohra) I found a wonderful old Moslem *Pir*, who had sat there for forty years, supported by the offering of his followers. He is highly venerated in those parts, and people kiss his doorstep, bed, hands and feet as they enter. He certainly struck me as a remarkably saintly man.

Page 365

استدراجی علوم

اس کے بعد استدراجی علوم ہپناٹزم، مسمریزم، سپر چولزم، ٹیلی پیتھی اور تھاٹ ریڈنگ وغیرہ کا بغور مطالعہ کرنے کی ہرگز خواہش نہیں کی مگر مالک نے مجھ پر ان کی حقیقت واضح کر دی کہ یہ بہت سفلی چیز ہے اور محض شعبدہ بازی ہے۔

اقوام گکھڑ اور راجپوت کی اصلاح

خان بہادر راجہ خداداد خان صاحب ابتداء میں جماعت اہلحدیث کے ایک معزز رکن تھے۔محکمہ ریلوے میں عمارتی کاموں کے اعلیٰ آفسر تھے۔ بہت دولت مند ہو گئے تھے۔ بہت اچھے عالم بھی تھے اور مسلمانوں کے ہمدرد تھے۔ عموماً بڑے بڑے جلسے منعقد کر کے وعظ و لیکچر دیتے اور قوم کو ترقی کیلئے ابھارتے اور انہیں تجارت کرنے کی ترغیب دیتے۔مگر گکھڑ قوم تمام جاہل تھی۔اس لئے مزاحمت کرتے تھے اور تجارت سے نفرت کرتے تھے کہ یہ ذلیل کام ہے۔ ملازمت کو اعلیٰ کام تصور کرتے۔خان بہادر صاحب نے خود ہر طرف اپنا سلسلہ تجارت کر رکھا تھا تاکہ لوگوں کو بھی شوق پیدا ہو۔ مذہبی زندگی رکھتے تھے۔ایک دفعہ کسی ضروری کام سے موہڑہ شریف آئے۔ ایک دن ٹھہرے اور غوث الامت (والدمؒ) سے رخصت طلب کی۔ پیر صاحب نے ان کو راجہ محمد اشرف خان صاحب آف نارہ کی معیت میں رات میرے ساتھ رہنے کی ہدایت فرمائی اور وہ دو دن مزید موہڑہ شریف رہے۔ کیونکہ خان بہادر صاحب متلاشی حق تھے۔فوراً حالت بدل گئی۔ پہلے وہ مذاہب کے خلاف اہل حدیث کے طرز کے لیکچر دیتے تھے اور ان کی طرزِ معاشرت امیرانہ تھی۔مگر بعد میں یہ حالت ہوگئی کہ وہ اکثر غریب اور مساکین کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور انہی کے ساتھ کھانا بھی کھاتے۔امیرانہ خیال بالکل چھوڑ دیئے عموماً آنسو جاری رہتے۔ جب کسی بزرگ صاحب طریقت کا ذکر آتا فوراً تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔جلسۂ عام میں تقریر کرتے اور لوگوں کو فقراء اور مساکین صاحبانِ طریقت کی تعلیم دیتے۔

ان کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔جن دنوں خان بہادر صاحب بیاس کے ریلوے اسٹیشن کے سرکاری بنگلہ میں قیام رکھتے تھے۔موہڑہ شریف کا ایک ماسٹر بدر دین صاحب درزی امرتسر بازار سے کپڑا خریدنے کے لئے گیا۔وہاں اسے خیال آیا کہ خان بہادر صاحب سے بھی ملنا چاہیے۔وہ پیر بھائی ہیں۔ چنانچہ وہ بنگلہ پر پہنچا اور باہر سنتری ملازم کو کہا کہ اندر اطلاع دو کہ ایک آدمی ملاقات کیلئے آیا ہے۔اس نے جا کر عرض کیا۔ جواب ملا کہ دفتر میں ملنا چاہیے۔ دوسری کوشش کرنے پر بھی یہی جواب ملا۔آخر اس نے ایک رقعہ کسی شخص سے لکھوا کر بھجوایا کہ ماسٹر بدر دین موہڑہ شریف سے آیا ہے۔ یہ رقعہ دیکھتے ہی ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے خان بہادر صاحب باہر آئے ماسٹر بدر دین کو گلے لگایا اور اندر لے گئے اور

اپنی خاص جگہ پر بٹھایا۔ سب حالات موہڑہ شریف کے دریافت کئے اور نہایت غیر معمولی خوشی محسوس کی۔ اتنے میں ماسٹر بدردین نے رخصت طلب کی۔ اسی وقت خانساماں بھی آیا اور عرض کی کہ حضور کھانا تیار ہے۔ اسے حکم دیا کہ فوراً لے آؤ۔ دسترخوان پر کھانا لاکر رکھا۔ دو پراٹھے اور ایک مرغی گھی میں پکی تھی۔ بدردین صاحب نے سوچا کہ ایک آدمی کا کھانا ہے اس نے خان بہادر صاحب سے کہا کہ آپ ہی کھائیں۔ انہوں نے کہا میں گوشت نہیں کھا سکتا کوئی اور چیز کھاؤں گا۔ اس لئے ماسٹر صاحب نے وہ سب چیزیں کھائیں۔ پھر خان بہادر صاحب نے دسترخوان سے ہڈیاں اٹھا کر نوچنی شروع کیں۔ ماسٹر صاحب حیران ہو گئے اور سخت افسوس کیا کہ ماجرہ کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ ماسٹر صاحب میں نے یہی سوچا تھا کہ کھانا آپ کھائیں اور آپ کی جوٹھی چیز میں کھاؤں۔ کیونکہ آپ میرے پیر بھائی ہیں اور موہڑہ شریف سے آئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اور کھانا منگوا کر کھایا۔ ماسٹر صاحب نے واپس آ کر ذکر کیا۔ عرس شریف کے موقع پر جب خان بہادر صاحب یہاں آئے تو میں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ اس کام میں دو فائدے تھے۔ ایک تو موہڑہ شریف کا پیر بھائی اور مسلمان۔ اس کے جوٹھے سے مجھ کو میرے دل کی روشنی اور مسکنت میں مدد ملی دوسرا یہ خیال بھی تھا کہ ہر شخص کو غریب اور پیر بھائی کو اپنے وجود پر ترجیح دینی چاہیے یہی میری غرض تھی۔

راجہ صاحب موہڑہ شریف آ کر غرباء کی جماعت میں شریک ہو کر لنگر کے برتن دھوتے، ایندھن لاتے اور خدمت میں مصروف رہتے تھے اور رات کو لوگوں کو جمع کر کے اسمِ ذاتِ قلبی اور ذکر الٰہی میں مصروف کرتے تھے اور اسی شغل میں سو جاتے۔ راجہ صاحب صرف اعلیٰ درجے کے گورنمنٹ ملازم ہی نہ تھے بلکہ راولپنڈی شہر صدر لال کڑتی میں ان کی جائیداد کے مقابلے میں کسی اور مسلمان کی جائیداد نہ تھی۔ ہزار ہا روپیہ ماہوار آمدنی تھی۔ راجہ صاحب ملازمت ترک کر کے راولپنڈی میں ہی اعزازی مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ وہ مجسٹریٹ بھی بے مثال طریقہ کے تھے۔ اہلِ مقدمہ جب حاضر ہوتے ان کو ہدایت کرتے کہ جاؤ غسل کرو اور وضو کر کے آؤ پھر دونوں فریق کو علیحدہ علیحدہ کمرہ میں بٹھا کر وعظ و نصیحت دے کر طریقت کی تعلیم دیتے۔ اس کے بعد کاروائی عدالت کرتے۔ عموماً لوگ راضی نامہ کر لیتے۔ ریل گاڑی میں، شہر میں اور دیہات میں ہر جگہ ہر کام میں لوگوں کی باطنی اصلاح اور ذکر کی تعلیم دیتے۔ چونکہ اقوام گکھڑ کے تمام معززین ان کو اپنا لیڈر سمجھتے تھے اس لئے قوم راجپوت اور قوم گکھڑ نے راجہ صاحب کو اپنے قبائل کی اصلاح کیلئے مشورہ دیا اور تمام معززین نے راجہ صاحب کو مجبور کیا اور راجہ صاحب نے سب کی طرف سے تحریری عرض داشت لکھ کر مجلس عرس شریف میں حضور غوث الامتؒ کی خدمت میں پیش کی اور لوگوں کے خراب حالات بیان کیے اور التجا کی کہ پیر **نظیر احمد** صاحبؒ کو چند ایام کے لئے ان قبائل میں جانے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ ان کی پُرزور التجا پر حسب ذیل شرائط پر اجازت ہوئی۔

1۔ دورانِ سفر لنگر اپنے ساتھ ہو۔
2۔ کسی سے نذرانے قبول نہ کئے جائیں۔
3۔ دورہ تمام ملک میں نہ ہو بلکہ چند مقامات متعین کر لئے جائیں اور تمام لوگ وہیں ملاقات کریں۔

چنانچہ راجہ صاحب اور جرگہ کے لوگ بے حد مسرور اور خوش ہوئے اور پروگرام کو ترتیب دینے کے لئے راولپنڈی میں راجہ صاحب کے مکان پر ہر قبیلہ کے لوگ حاضر ہوئے۔ پروگرام مرتب ہوا اور چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔ بعض خاص مقامات کے نام یہ ہیں۔ راولپنڈی، سوہاوہ، کھڑیوٹ، ٹھہری، بکڑالہ، گڈاری خورد، گڈاری کلاں، پنجاڑ، پیرال، وانگلی، گروٹہ، شاہ پور، گولڑہ شریف، خان پور، دھدوچھ، چنام، کہوٹہ، بلاکھر، کلر، میرامٹور، ترلائی، ڈھیری شاہاں وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ مقامات ہیں جن کو متعلقہ علاقہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور مشتہر کیا گیا کہ علاقہ کے لوگ ان مقامات میں ملاقات کریں۔

اب روانگی موہڑہ شریف سے ہوئی۔ سائیں قائم خان، مولوی عبدالرحمٰن صاحب پھگواڑی، سردار فضل خان صاحب سکنہ موہڑہ، سردار عاقل خان صاحب ذیلدار مری، سردار شریف خان دھار جاوا، منشی غلام قادر خان صاحب، حافظ عبداللہ صاحب پشاوری، خلیفہ سائیں راج محمد خان صاحب، مولوی محمد شریف صاحب میانہ موہڑہ وغیرہ پچیس اشخاص روانہ ہوئے۔ راولپنڈی میں ہر مقام اور ہر اطراف کے لوگ حاضر تھے۔ اقوام گکھڑ اور اقوام راجپوت کا عظیم اجتماع تھا۔ راجہ صاحب (خان بہادر راجہ خدا داد خان صاحب) نے بہت شاندار استقبال کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایگریکلچر فارم (زراعتی فارم) سے تیلی محلّہ راولپنڈی تک جھنڈیاں اور دروازے لگائے۔ لنگر کا بہت اچھا انتظام کیا گیا اور سائبانوں کا وسیع پنڈال بنایا گیا۔ وہاں رات کے بارہ بجے تک قصائد ونصائح و پروگرام سنائے گئے اور اغراضِ سفر سنائے گئے۔ اغراض سفر یہ تھے۔

1۔ چونکہ قبائل گکھڑ، راجپوت اور دیگر معززین میں تعلیم کا فقدان ہے۔ ان کے لئے حصولِ تعلیم کا انتظام کرنا۔
2۔ ان اقوام میں غیر اسلامی رسومات کو ختم کرنا اور پانچ صد سالہ رفتارِ زندگی کو صحیح کرنا۔
3۔ مالدار اشخاص کو ترغیب دلانا تاکہ ایک مجموعی تعلیمی فنڈ قائم کیا جائے۔ اس فنڈ سے غریب ہونہار طلباء کی امداد کرنا۔
4۔ مدارس اور مساجد کی تنظیم قائم کرنا اور علماء کے اخراجات کا اہتمام کرنا۔
5۔ تمام لوگوں کو بیعت طریقہ نقشبندیہ میں داخل کر کے ان سے دستور العمل رسولی ﷺ پر قائم کرنا۔
6۔ ایک متحدہ کانفرنس قائم کرنا جس کو ''کیانی کانفرنس'' کہا جائے۔ جس کے اجلاس مختلف اوقات اور مقامات پر ہوتے رہیں۔

اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا جو قابل ذکر ہے۔ منشی چراغ دین صاحب تعلیم یافتہ اور عاشقِ رسولﷺ تھے۔ ضلع راولپنڈی میں ہیڈ خزانچی تھے اور موہڑہ شریف میں حضور غوث الامتؒ سے بیعت ہونے کے بعد یہ مسلمانوں میں صحیح زندگی کی مثال بن گئے تھے۔ ہمارے پروگرام کے ضمن میں راجہ صاحب نے ان کے ذمہ یہ کام سپرد کیا کہ وہ ایگریکلچر فارم مری روڈ سے لیکر تیلی محلّہ راولپنڈی تک جھنڈیاں اور دروازے لگائیں۔ چنانچہ یہ اس کام میں مصروف تھے اور رات دن کام کرتے تھے۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو انہی ایام میں بیمار ہو گیا۔ منشی صاحب کو مطلع کیا گیا۔ انہیں اس کی علالت کا غم تو بہت تھا مگر اپنے کام کو سرانجام دینے کا جوش اس غم پر غالب تھا۔ منشی صاحب نے یہ پیغام دیا کہ بچے کے علاج کے لئے ڈاکٹر کو فوراً بلاؤ۔ اسی طرح بیماری بڑھتی رہی اور اس کی اطلاع منشی صاحب کو دیتے رہے۔ یہاں تک کہ تیسرے روز جس دن ہم نے راولپنڈی پہنچنا تھا ان کا بیٹا فوت ہو گیا۔ اب سارا محلّہ اور قبیلہ غم زدہ تھا مگر منشی صاحب اسی جوش میں اپنے کام میں مصروف رہے اور غم کا کوئی اثر نمایاں نہ ہونے دیا۔ بلکہ اپنے خاندان والوں کو اور تمام احباب کو سختی سے منع کیا کہ ہرگز کوئی شخص پیر صاحبؒ کو یا اس مجلس کو لڑکے کی فوتیدگی کی اطلاع نہ دی جائے۔ تا کہ پروگرام کے حالات غم میں نہ بدل جائیں۔ منشی صاحب نہایت شوق اور محبت سے لوگوں کی مہمانداری کے انتظام میں مصروف تھے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ کے بعد سفر سے واپسی پر ہم کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ سب لوگ منشی صاحب کی جرأتِ ایمانی اور ان کی **لِلّٰھِیّتْ** کے معترف ہوئے اور اس اثر میں بے مثال تسلیم کئے گئے۔ منشی صاحب کو خوشی تھی کہ میرے پیر صاحبؒ کے شہزادہ کی آمد پر ان کو یہ ضبط حاصل ہوا جو محض خدائی محبت میں تھا۔ یہ قصہ چونکہ عجیب حقیقت کی مثال ہے اس لئے لکھ دیا گیا۔

اب راولپنڈی سے یہ جماعت جو تقریباً دوصد معزز خلفاء پر مشتمل تھی سفر پر روانہ ہوئی اور پروگرام کے مطابق یہ سفر پینتالیس دن میں طے ہوا۔ اس سفر کے حالات مولوی محمد شریف صاحب میانہ موہڑہ نے بصورت ''سفر نامہ **نظیریہ**'' ایک بڑی کتاب میں درج کئے تھے اور وہ کاروائی جو انتظامی امور کے متعلق تھی راجہ صاحب نے خود اپنے منشیوں سے لکھوائی جس میں مستقبل کا پروگرام، عملی تجویزیں اور قراردادیں درج تھیں اور تفصیلی نظام درج تھا۔

مختصراً یہ پروگرام اس طرح مرتب تھا کہ جہاں جہاں دو روز یا سہ روز کا قیام تھا وہاں پر قرب و جوار کے لوگ جمع ہوتے تھے کیونکہ اخبار میں پہلے سے اشتہار شائع ہو جاتا تھا۔ ہر مقام پر انتظام، استقبال و مہمان نوازی و متعلقہ کاروائی طریقت اور کاروائی کانفرنس مرتب رہتا تھا۔ راستہ میں کئی مقامات پر جہاں جہاں نماز کے لئے وقف کرنا تھا وہاں بھی شامیانے، شربت، برف کا انتظام اور ہزارہا لوگ جمع ہو جاتے۔ یہ کاروائی بھی پروگرام میں شامل رہتی۔ صورت کاروائی یہ تھی کہ تقریباً پچیس سوار راستہ کے کام پر متعین تھے جو آگے آگے چلتے تھے اور اصلی کیمپ پر پہنچ کر مناسب انتظام کی اطلاع بھی دیتے اور انتظام بھی کرتے۔ اصلی مقام پر پہنچ کر ملنے کا یہ پروگرام تھا کہ ایک بڑے میدان میں لوگ باضابطہ

منظّم صورت میں بہت بڑا حلقہ باندھ کر کھڑے رہتے۔ ایک طرف پھولوں کا دروازہ حلقے میں داخل ہونے کے لئے ہوتا۔ ہماری جماعت سب گھوڑوں پر سوار ہی اندر حلقے میں داخل ہوتی اور وہیں گھوڑوں سے اتر کر کھڑی ہو جاتی۔ چونکہ سب ملازم لوگ تھے اس لئے نہایت سنجیدگی سے کام چلاتے تھے۔ حلقے میں داخل ہو کر سب سے بڑا آدمی ایک وفد سامنے لا کر سب کی طرف سے ملاقات کرتا۔ پھر خیر مقدم اور خوش آمدید کے قصائد پڑھے جاتے اور اس کے بعد لوگوں کی طرف سے تسلیم و رضا و تعمیلِ حکم کا اقبال اور معاہدہ ہوتا۔ پھر جواب میں خان بہادر صاحب کی تقریر محاسن و اعمال اور انتظام پر اظہارِ تشکر اور قوم کو اس اعلیٰ تجویز پر مجتمع ہونے کی مشاورت اور ترغیب ہوتی۔ اس کے بعد دعا ہوتی اور سلسلہ ملاقات ہو کر ڈیروں میں قیام ہوتا۔ دوسرے دن اصلی اغراض سفر و بیعت و نذرانے وتحائف پیش کرنے کے لئے اور اس کے بعد جلسہ میں تقاریر بھی ہوتی تھیں اور انتظامی امور بھی طے ہوتے تھے۔ دوسرے ہی دن عموماً تیسرا عظیم الشان دربار منعقد ہو کر رخصت ہوتے تھے۔ رخصت بھی عجیب نظام کے مطابق ہوتی تھی۔ کئی میلوں تک رخصتی کے علاوہ نیزہ بازی وغیرہ کے کام ہوتے تھے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا راولپنڈی میں تمام اقوام کے افراد جمع تھے۔ سفر کے شرائط سب کو سمجھائے گئے تھے مگر سب نے کہا کہ روٹی کا انتظام چونکہ ہم لوگ اپنے لئے کریں گے اس میں اجازت کی ضرورت نہیں البتہ نذرانے قبول کرنا پیر صاحب کا اختیار ہے۔ ہم اپنی خوشی سے جان و مال قربان کریں گے۔ چنانچہ دربار میں روپے اور نوٹ لوگ ہزارہا پیش کرتے تھے۔ پھر یہ طے ہوا کہ ہر شخص اشرفیاں پیش کرے۔ پھر اشرفیاں پیش ہونے لگیں اور ہر قوم اور ہر قبیلہ اور ہر انسان یہی کوشش کرتا کہ اس کا نذرانہ اور اس کی خدمت زیادہ ہو۔ اس لئے ہر معاملہ شاندار طریقے سے ہونے لگا۔ غوث الامتؒ کا حکم تھا کہ نذرانے نہ لئے جائیں ورنہ یہ دورہ پیروں کا اَور رنگ میں ہو جائے گا اور لوگ چونکہ ضرور پیش کرتے تھے اس لئے ہر نذرانے کا باقاعدگی سے حساب رکھا جاتا اور ان ہی لوگوں کی مساجد کی دیکھ بھال اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے عمارت اور دوسری ضروریات کے لئے رقم مقرر کر کے انہی کی تنظیم میں واپس کر دیئے جاتے۔ اس سارے انتظام میں اگرچہ لوگ محبت رسولﷺ اور خدائی عشق میں کام کرتے تھے مگر ایک قبیلہ دوسرے سے، ایک رئیس دوسرے رئیس سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ اگر ایک کیمپ میں پچاس گھوڑے ہوتے تو دوسرے کیمپ میں ایک صد ہو جاتے۔ اسی طرح ہماری مجالس نہ صرف مجالسِ طریقت ہی رہیں بلکہ انتظام اور شان کے لحاظ سے یہ ''گکھڑ شو'' ہو گیا اور مدت تک اسی کی یاد قائم رہی۔ اس سفر کے پروگرام میں خان پور اور ہزارہ بھی شامل تھا۔ خان پور کے راستہ میں ہی ڈھیری شاہاں، شاہ پور اور گولڑہ شریف بھی واقع ہیں۔ چنانچہ خلیفہ سید حیدر شاہ صاحب شاہ پور و باشندگانِ ڈھیری شاہاں ایک دو دن ان مقامات کے لئے مخصوص تھے۔ ان مقامات میں کثیر التعداد لوگ موجود تھے مگر انتظام خاطر خواہ نہ

تھا جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی ملاقات بھی نہ کر سکے۔ البتہ چوہدری صاحبان موضع ہار نے نہایت خوبصورتی اور زیورات کے ساتھ گھوڑے تقریباً ایک سو سے زائد جمع کئے تھے اور سواروں نے نیزہ بازی اور دیگر کرتب عمدگی سے دکھائے۔ تعلیم طریقت میں یہ لوگ پہلے سے داخل تھے۔

اس موقع پر گولڑہ شریف میں قیام کا قصہ کسی قدر غیر معمولی ہوا۔ گولڑہ شریف میں قاضی محمد غوث صاحب رہتے تھے جو بڑے قابل اور عالم تھے۔ سر حلقہ علماء کو درس دیتے تھے۔ شکل میں خوبصورت اور جسیم بھی تھے۔ ان کی بیعت سیال شریف میں خواجہ شمس الدینؒ سے تھی۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑہ شریف کے پیر بھائی بھی تھے۔ حضرت صاحب سیال شریف کی وفات کے بعد مکتوبات شریف امام ربانی کا مطالعہ کیا تو نقشبندیہ طریقہ میں بیعت ہونے کے لئے موہڑہ شریف آئے۔ مگر غوث الامتؒ نے بیعت سے انکار کیا۔ پھر وہ کہیاں شریف دربار اعظم میں سرکار طریقت حضرت باوا جی صاحبؒ قدس سرہ کی خدمت میں چلے گئے۔ وہاں سے سفارشی ارشاد تحریری لے کر آئے تو غوث الامتؒ نے بیعت کیا۔ پیر صاحب نے یہ اجازت فرمائی تھی کہ پیر صاحب گولڑہ شریف کی بھی ملاقات کی جائے بشرطیکہ کوئی وجوہات مانع نہ ہوں اور قاضی صاحب بھی پسند کریں۔ مگر تھوڑے عرصہ میں قاضی صاحب کے حالات اس قدر بدل گئے کہ رقت و تاثیر کا یہ عالم تھا کہ سینکڑوں آدمی عشقِ الٰہی میں دیوانوں کی طرح ان کے گرد تڑپتے نظر آتے اور تمام علاقہ ان کی بیعت میں داخل ہونے لگا۔ ان کے برادر خورد کے ذمہ عملی کام ہو گیا۔ یہ محلّہ نقشبندی مشہور ہو گیا۔ ان قاضی صاحب کی استدعا ردّ نہیں ہو سکتی تھی اس لئے گولڑہ شریف میں بھی قیام منظور ہوا اور پیر صاحب گولڑہ شریف کو ہمارے دورہ کی اطلاع تھی۔ یہ سنا گیا تھا کہ ان کی طرف سے صاحبزادے اور ایک دوسرے سوار قائم علی صاحب اسٹیشن تشریف لائے تھے مگر ہم سے ملاقات نہ ہوئی تھی لوگوں کا ہجوم زیادہ تھا۔ اسٹیشن سے مدرسہ (بڑا اسکول) تک دو رویہ لوگ کھڑے تھے۔ ہزارہا مخلوق تھی۔ ہمارا ڈیرہ بھی سکول میں ہی کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم سیدھے سکول میں پہنچائے گئے۔ بعد میں ایک صاحب گلاب خان صاحب آئے کہ پیر صاحب منتظر ہیں مگر اس وقت بے پناہ ہجوم چھوڑ کر جانا یا لے جانا نہایت نامناسب امر تھا نیز بصورت دعوت ان کے صاحبزادہ صاحب بھی ہم سے نہ مل سکے اس لئے جماعت راجگان اور قاضی صاحب نے ہمارا جانا مناسب نہ سمجھا۔ اسی بنا پر پیر صاحبؒ گولڑہ شریف کے مریدین نے جو غالباً غلط مزاج تھے ناراضگی اور غلط گفتگو جاری کی بلکہ زیادتی شروع کی۔

اگلی صبح ایک بڑے وسیع میدان میں لوگوں کا اجتماع ہوا اور سلسلہ بیعت شروع کیا گیا۔ زیادہ ہجوم کی وجہ سے بیعت کا طریقہ تمام سفر میں یہ رہا کہ لوگوں کے اجتماع کے ایک کنارے پر ایک آدمی کھڑا ہو جاتا اور دوسرے کنارے پر دوسرا آدمی اور ایک لمبی رسی یا لوگوں کی پگڑیاں بہت سی ملا کر اوپر سے کھینچ کر پکڑتے ایک طرف یا درمیان میں ہم کھڑے

ہوکر با آواز بلند بیعت کرتے۔ بیعت کے بعد چالیس خلفاء صوفی مقرر تھے جو لوگوں کو اسمِ ذات قلبی اور وظائف سمجھاتے۔اسی طرح وہاں بھی ہوا۔جلسہ میں ہندو بھی تھے،سکھ بھی تھے اوران کی مستورات بھی تھیں۔ان پر بھی اثر ہو گیا اور جماعت پر وجد طاری ہو گیا بلکہ ایک شخص ہندو جس کا نام سُکھد یال تھا وہ اسی وجد میں مدت تک مصروف رہا اور موہڑہ شریف بھی آتا رہا۔اس کے بعد اس نے دکان اور کام بھی چھوڑ دیا اور اکثر جنگل میں جا کر رہتا مگر عام لوگوں اور ہندوؤں نے اس کے متعلق کہا کہ یہ پاگل ہو گیا ہے علاج بھی کروائے مگر وہ اسی طرح رہا۔یہ حالت دیکھ کر گولڑہ شریف کے ایک مرید نے بطور مسخرہ پن دو بیل بھی مجلس میں حاضر کیے کہ یہ بھی بیعت ہونے کے لئے آئے ہیں۔مگر جب ذکرِ الٰہی کا اثر ہوا تو اس نے خود ہی ان بیلوں میں سے ایک بیل اسی جگہ پر اپنے ہاتھوں سے ذبح کر دیا اور خود دیوانہ ہو کر بھاگ گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ براہ راست کہیّاں شریف چلا گیا تھا۔ ہم تو واپس آ گئے مگر قاضی صاحب اور پیر صاحب کا سلسلہ ناموافقت ترقی کر گیا۔کچھ عرصہ کے بعد قاضی صاحب کے مخالفین نے ڈاکہ ڈال کر سخت زخمی کر دیا اور دونوں کان بھی کاٹ دیئے مگر قاضی صاحب میں جان باقی تھی۔وہ آہستہ آہستہ تندرست ہو گئے۔کچھ عرصہ تک اپنے کام میں مصروف رہے اور فوت ہو گئے۔

اس سے آگے خان پور کا مقام ہے۔یہ قوم سارنگال گکھڑ کا دارالخلافہ ہے۔راجہ شیر احمد صاحب موضع پڑیاں میں مقیم تھے۔بغیر ملازمت وغیرہ کے شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔بالکل سابقہ زمانہ کے مہاراجگان کی طرح کاروائی تھی۔کثیر التعداد گھوڑے اور کثیر التعداد سپاہی اور تمام اہلکاران ریاست بدستور موجود رہتے۔سینکڑوں گاؤں میں مزارعان آباد تھے۔رعیت وفادار اور خوشحال تھی۔خان پور میں سلطان راجہ جہانداد صاحب مقیم تھے۔ان کے قانونی بندوبست میں چوراسی (84) گاؤں ملکیت تھے۔بعد میں کئی سو گاؤں تک آبادی وسیع ہو گئی۔یہ بھی بجائے خود ایک ریاست تھی۔مگر راجہ جہانداد خان صاحب بصورت سیشن جج ملازم تھے۔زبان انگریزی سے ناآشنا تھے اور اوصاف حمیدہ لاثانی رکھتے تھے۔زبان فارسی اور علوم اسلامیہ کے اچھے عالم تھے۔جسیم،خوبصورت اور خوش تقریر تھے۔نہایت مدبر انسان تھے۔اعلیٰ حضرت امیر عبدالرحمٰن خان شاہ کابل جو بلحاظ اوصاف حمیدہ لاثانی انسان تھا ان کی وفات پر فاتحہ خوانی کی رسم ادا کرنے کے لئے حکومت انگریزی کو کسی اعلیٰ اوصاف والے نمائندے کی ضرورت تھی۔وہاں صرف فاتحہ خوانی ہی مقصود نہیں تھی بلکہ یہ کام امورات سیاسی کی بنیاد تھے۔اس لئے بہت سے والیانِ ریاست اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ متمنی تھے مگر حکومت انگریزی نے راجہ جہانداد خان صاحب کو مع چالیس اعلیٰ معززین قابل اشخاص کو منتخب کر کے روانہ کیا۔یہ کام ایک تاریخی حیثیت کا حامل تھا۔واقعات بہت طویل ہیں۔

سلطان صاحب عدالت کے آغاز میں قرآن شریف سامنے رکھ کر وعظ سناتے اور پھر عدالتی کاروائی شروع

کرتے۔ان کے مفصل حالات ''حیات افغانی''میں درج ہیں۔

اہل حدیث علماء کے ساتھ مناظرہ

اہل حدیث کے مرکزی لوگوں کو ان کی طرف زیادہ توجہ تھی۔اس لئے نہایت متبحر عالم یہاں مقرر کیے گئے جو راجگان اور رعایا کو ہروقت تبلیغ کرتے رہتے اور ان کا خاصہ اثر پیدا ہوا۔مولوی عبدالاحد صاحب اہل حدیث کے سرگروہ تھے جو تمام عمر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑہ شریف کے خلاف کتابیں اور اشتہار چھپواتے رہے اور انہوں نے معتدبہ رقم بھی اکٹھی کر لی تھی۔یہ قصّہ طویل ہے۔اب جب ہماری جماعت خان پور پہنچی تو جماعت اہل حدیث حرکت میں آ گئی۔ان کو یہ بھی سخت رنج تھا کہ ان کی جماعت کا ایک معزز رکن اور صاحب اقتدار دولت مند عالم خان بہادر راجہ خداداد خان صاحب ان کو چھوڑ کر طریقہ نقشبندیہ موہڑہ شریف میں بیعت ہو کر خلافت حاصل کر چکے ہیں۔چونکہ اس دورے کا سارا پروگرام راجہ صاحب کے زیر اہتمام تھا اس لئے وہ ہر مقام پر مخالفت کی کوشش کرتے اور ناکام ہوتے رہے۔اب یہاں بھی ان کی جماعت مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔حقیقت میں یہ ان کا آخری مقابلہ تھا۔خلیفہ قاضی محمد غوث صاحب گولڑہ شریف بھی ہمراہ تھے۔ان لوگوں نے خان بہادر صاحب کے ساتھ عام جلسہ میں گفتگو کرنے کا مطالبہ کیا جو منظور کر لیا گیا۔چنانچہ مباحثہ شروع ہوا۔علمی سوالات اور اعتراضات شروع کیے گئے مگر خان بہادر کی ایمانی طاقت غالب آئی اور تھوڑے وقت میں جماعت خاموش ہو گئی۔انہوں نے خان بہادر صاحب سے سوال کیا کہ آپ متقی، عالم، غنی اور اہل حدیث جماعت کے اعلیٰ رکن تھے آپ نے یہ مذہب کیوں چھوڑا اور غلط کام شروع کیا؟ ہم از روئے کتب معتبرہ آپ کو تقلید اور طریقت کے خلاف ثبوت دے سکتے ہیں اور آپ سے ہر طرح سے علمی مباحثہ کے لئے آئے ہیں۔خان بہادر صاحب ان کی تقریر سنتے رہے اور اپنے ساتھی علماء کو گفتگو کرنے سے منع کرتے رہے۔اہل حدیث کی گفتگو سن کی انہوں نے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں اہل حدیث تھا اور اکثر جگہ دوسری جماعتوں سے مباحثہ کر کے ان کو شکست بھی دیتا تھا۔وہاں سب علمی اور قولی مباحثے ہوتے تھے مگر ایک وقت موہڑہ شریف کسی خاص تقریب میں حاضری کا موقع ملا۔میں وہاں تین دن رہا۔رات کو میں پیر ولی عہد صاحب کے ساتھ جنگل میں رہا۔اوّل میں نماز پڑھتا تھا اور آہستہ آہستہ اطمینان سے پڑھتا تھا اور دل سے اسلام کا غلام تھا۔اب تین دن کے بعد یہ حالت ہوئی کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو مجھے اپنا اور نماز کا علم ہی نہیں ہوتا۔صرف ذات الٰہی کا حضور ہی ہوتا ہے اور مجھ کو اس حدیث مبارکہ کی عملی صورت سمجھ آ گئی ہے کہ

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الحدیث)

''نماز مومن کی معراج ہے''

مدت تک یہ معلوم کرنے کے لئے سرگرداں تھا۔ اب وہ چیز خود بخود سمجھ میں آ گئی۔ اس کے بعد انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ وہ کیفیت اور حال ہم کو بیان کریں تا کہ ہم معلوم کریں کہ وہ صحیح ہے یا غلط، یہ معلوم کرنا آپ کا بھی فرض ہے۔ اس کے جواب میں خان بہادر صاحب نے کہا کہ مسائل اور علمی مباحثہ سے اس امر کا فیصلہ کئی سو سال میں بھی نہ ہوا اب تھوڑے وقت میں کیسے ہوسکتا ہے۔ میں آپ کو راستی کے ساتھ ایک مثالی قصّہ سناتا ہوں۔ ایک زمانہ میں چند لڑکیاں اکٹھی تھیں اور ان کو کھیلنے کا بہت شوق تھا اور باہمی محبت اور پیار بھی بہت تھا۔ ایک دن ان لڑکیوں نے باہمی مشورہ سے فیصلہ کیا کہ ہم میں سے اگر کسی لڑکی کی شادی ہو جائے تو وہ بھی اس کھیلنے کے کام میں ہمارے ساتھ شریک رہے گی۔ سب نے حلف اٹھایا اور پختہ ارادہ کیا اور گڑیوں کی شادی کے کھیل کا کام جاری رکھا۔ اتفاق سے ایک لڑکی کی شادی ہوگئی کچھ عرصہ کے بعد وہ والدین کے گھر واپس آئی تو حلف کے مطابق اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے میں شامل ہوئی مگر اس کھیل میں اس کا دل نہیں لگتا تھا اور دلچسپی بھی نہ تھی وہ محض برائے نام شامل ہوئی تھی۔ جب اس کی اس حالت کو لڑکیوں نے دیکھا تو سب نے اسے ملامت کی اور اس کا جواب طلب کیا۔ اس نے یہی جواب دیا کہ میں تم کو کچھ نہیں بتا سکتی اگر تم میں سے کسی کی شادی ہوگئی تو وہ خود بخود اس کیفیت کو سمجھ لے گی۔ اس پر سب لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ اب میرا بھی یہی جواب ہے کہ آپ میدانِ عمل میں آئیں اگر آپ طریقت میں صحیح خیال اور صحیح عمل سے داخل ہو جائیں تو آپ کو ساری حقیقت خود بخود سمجھ آ جائے گی۔ اس جواب سے تمام علماء خاموش ہو گئے بلکہ اس جماعت نے ہماری جماعت کی ایک وقت کی دعوت بھی کی اور بعد میں سلسلۂ ملاقات و محبت قائم رہا بلکہ مولوی عبدالاحد صاحب نے جو کتاب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے خلاف لکھی تھی جس کا نام ''مدفع الٰہی بر قلعہ مہر شاہی'' ہے اس میں انہوں نے تمام طریقت کے بزرگان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد موہڑہ شریف کا نام اس سے خارج کر دیا اور فتویٰ سے مستثنیٰ کر دیا۔

اس سارے سفر کے نتائج بہت ٹھیک ہوئے۔ پابندیِ دین بھی ہوئی اور تعلیم میں غیر معمولی اضافہ بھی ہوا۔ خصوصاً جو لوگ نماز سے متنفر تھے وہ تہجد گزار ہوئے اور وظائف کے پابند ہو گئے۔ اکثر غیر اسلامی رسومات کا انسداد ہوا۔ خان بہادر خلیفہ راجہ خداداد خان صاحب نے اس سفر کی یادگار میں جماعت کے تمام افراد کو سونے کے تمغے بھی پیش کیے۔

آخر عمر میں راجہ صاحب نے یہ عہد کیا کہ وہ سوائے آیات قرآنی اپنی زبان سے کوئی لفظ بھی نہیں نکالیں گے اور وہ اس پر پختگی سے قائم رہے۔ وہ اپنی ذاتی ضروریات اور دیگر کاروبار میں ایسی آیاتِ قرآنی پڑھ دیتے جس سے از روئے قیاس ان کے مدعا کا پتہ لگ جاتا۔ جس طرح حضرت رابعہ بصریؒ نے عمل کیا۔ اسی حالت میں راجہ صاحب کی وفات ہوئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

چلّہ کشی یا جنگل نشینی

جنگل نشینی سے یہ مراد نہیں کہ چند روز تنہائی میں جا کر کوئی وظیفہ پڑھتا رہے اور اسماء کی زکوٰۃ پوری کرے بلکہ مالک الملک نے انسان کو ایک حقیقتِ علوی نوری عطا فرمائی ہے۔ وہ ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ اس کے لئے رات نہیں، دن نہیں، آرام نہیں، تکلیف نہیں، حجاب نہیں، وہ عالمِ بالا کی ایک لطیف نورانیت ہے۔ اس کو جسمِ خاکی (بت عنصری) میں مقید کیا گیا ہے اور اس کو بتِ عنصری پر غلبہ از روئے فطرت حاصل ہے مگر لواحقاتِ بشریت ولواحقاتِ نفسانیت اور اس کے متعلقات کی مصروفیت پر توجہ مشغول ہو کر یہ نوری حقیقت مقفل ہو جاتی ہے۔

خدا سے تعلق رکھنے والی یہی چیز ہے۔ خدا نے اس نوری حقیقت کی آزادی کے لئے اس کے قفسِ عنصری (بشریت) کو دین اور عبادت کے اصولوں کا مقیّد اور پابند کیا تا کہ انسان اپنی حقیقتِ واقعی پر زندہ رہے۔ چونکہ اب یہ ذریعہ دین اسلامی اپنے موضوع سے بدل گیا یا بدلایا گیا۔ اس لئے اس کی وہ خاصیت رونما اور عامل نہ رہی اور حیوانیت اور مادیت کا غلبہ ہو گیا اور ذات الٰہی پر متوجہ ہونا محال ہو گیا۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انسان ان لواحقات وعوارضات زندگی سے ایک میعاد تک مفارقت حاصل کرے تا کہ وہ کیفیت آسانی سے رونما ہو اور ماسویٰ اللہ سے توجہ ہٹ کر ذاتِ الٰہی کی طرف منقاد ہو۔ یہ انقیاد اصلی مدعائے علیحدگی یا چلّہ کشی کا ہے۔ بعض غلط اور جاہل صوفی چلّہ کشی، جنگل نشینی کو غلط سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ مخلوقِ خدا کو دیکھے اور عبرت حاصل کرے۔ صنعتِ مصنوعی سے صانع پر خیال لے جائے۔ یہ مقصود نہیں بلکہ مقصود یہی ہے کہ انقیادِ کلی اور جزوی پیدا ہو۔ یہ ایک طویل عالمِ حقیقت ہے جو مبتدی کے لئے بھی ہے اور منتہی کے لئے بھی ہے اور یہ شرطِ عظیم ہے اس کے بغیر کوئی عروج ممکن نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو یہ وقت اوّل زندگی میں حاصل ہوا اور وہ خلیل اللہ بن گئے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو غارِ حرا میں تکمیل کرائی گئی۔ حضرت موسیٰ کو تیس دن پہاڑ اور جنگل میں بلایا گیا اور باوجود علیحدگی کے دس روز تک ان کا خیال قوم کی ہدایت کی طرف رہا۔ اس لئے انقطاعِ کامل نہ ہونے کی وجہ سے دس روز ایزاد کئے گئے اور تیس روز کی بجائے چالیس روز تک زیادہ کئے گئے کہ انقطاعِ کامل پیدا ہوا۔ پھر ان کو علوم اور اسرارِ الٰہی سے واقف کیا گیا اور توریت عطا ہوئی جو واپس ہو گئی صرف احکام ہی دنیا میں رہ گئے۔

ہر انسان کو اسی دروازے پر پہنچنا ہے، وہی راستہ ہے۔ اب قربِ ذاتی ہرگز سوائے انقیاد کے ممکن نہیں ہے عرفات پر جانا بھی یہی فلاسفی رکھتا ہے۔ دنیا میں بزرگانِ دین، پیشوایانِ طریقت نے اس مدعا کے لئے علیحدگی اختیار کی۔ تمام چلّہ کشی، مجاہدات، ریاضیات سے یہی مدعا ہے۔ دنیا میں ابتداء سے آخیر تک یہی دستور رہے گا۔

اب اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہر جنگل نشینی اسی مدعا کے لئے ہے۔ بلکہ ہزار ہا انسان بادیہ نشین، جنگل نشین

ہیں مگر جن لواحقات کو معدوم کرنے کے لئے جنگل میں جانا ضروری ہے وہ انہی لواحقات کو پیدا کرنے کے لئے جنگل نشین ہیں اور دنیا کمانے کا ایک بہانہ ہے۔ وہ باطل اور گمراہ ہیں۔ اگر اس مغالطہ کو کوئی سمجھ نہ سکا تو وہ انسان ہی نہیں بلکہ گدھا اور احمق ہے۔

اس لئے اس ذوق کو بگوشِ ہوش و بصیرتِ نوری سے صحیح طور پر معلوم کرنا چاہیے۔ جب انسان کا قلبی تعلق تمام دنیاوی امور سے منقطع ہو کر صرف ذاتِ الٰہی کی طرف ہو جاتا ہے تو ذات کی طرف سے بھی دروازہ قبولیت کھلتا ہے، سب مرغوبات و مطلوبات وضروریات سے بالاتر عجیب ذات بدیع العجائب پر توجہ قائم ہوتی ہے، حالتِ استہلاک و اضمحلال پیدا ہو کر نفی بشریت ہوتی ہے اور استغراق فی الذات حاصل ہوتا ہے اور بقول میاں محمد بخش صاحبؒ

قطرہ وچ پیا دریاوے تو اوہ کی کہاوے
جس وچہ اپنا آپ گنواوے آپ اوہو بن جاوے

اب اگر انسان اس کیفیت سے واقف ہوتا ہے تو وہاں کا ہو کر آتا ہے اور یہاں والوں سے کوئی مناسبت کی ضرورت نہیں رکھتا بلکہ وہ مالک کی طرف سے مخلوق کی طرف ایک ارسال کردہ شخص ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کو رسول یا پیغمبر پکارا جاتا ہے۔ جب نبوت کا خاتمہ ہو چکا تو یہ نائبِ رسول ہوگا۔

دراصل خداوند کریم خود پردہ میں ہے اس لئے اپنے افعال پر پردہ رکھتا ہے۔ ہر چیز، ہر کام کو اسباب وعلّت کے سلسلہ میں لگا دیا ہے مگر علت العلل خود ذات ہی قرار پائی۔ اپنی عبادت میں اپنی عطا رکھ دی۔ اسی چیز کو عزت بخشی جو پردہ میں رکھی۔ رمضان شریف کے فضائل، عبادات، تکالیف اور آرام کو ذاتِ الٰہی کے لئے تھوڑی دیر کے لئے قربان کرنا، قیام اللّیل کرنا۔ اس سلسلہ میں لیلتہ القدر کو لا کر پیش کر دیا۔ اسمِ اعظم کو الفاظ کے لباس میں مفقود و موجود کر دیا۔ جن کو رمضان شریف کی عطایات کا علم ہوا انہوں نے **طُوْبٰی لِمَنْ مَضٰی عَلَيْهِ الرَّمَضَانُ** کہا۔ بلحاظ مہینہ کے تو کفار پر بھی یہ مہینہ گزرتا ہے بلحاظ رات یہ رات سب جگہ گزرتی ہے مگر یہ فضائل وعطایات ان اعمال کے نتائج ہیں جو اعمال ان ایّام یا ان اوقات پر منحصر ہیں ورنہ جس طرح رمضان شریف کا مہینہ کفار پر گزرتا ہے اسی طرح لیلتہ القدر بھی گزر جاتی ہے۔ یہی لیلتہ القدر کا وقت اگر مخصوص ہو تو یہ ٹائم دوسرے ممالک میں بھی بارہ بجے دن کا ٹائم ہوگا جو یہاں نصف رات ہوتی ہے مگر تکلیف اور امید کے پردہ میں مالک کی نوازش عطا ہے جو دقّت ہے جو بلحاظ تکلیف اور توجہ کے لئے ہے۔ کسی نے اچھا کہا۔

؎ ہر شب شبقدر است گر قدر بدانی

اگر قدر نہیں ،فضائل قرب وعطاء کے اسباب متروک ہوئے تو رمضان شریف اور لیلۃ القدر وغیرہ کچھ نہ رہا۔

اسی طرح جنگل نشینی یا چلّہ نشینی میں بھی کیفیت متذکرہ بالا پیدا نہ ہوئی تو حالات برعکس ہو جاتے ہیں یعنی جس سامان ولواحقاتِ دنیا (ماسویٰ اللہ) سے انقطاع کے لئے جنگل نشینی اختیار کی گئی اور وہ سب دل میں آ کر جمع ہوئے یا ان کے پیدا کرنے کے لئے جنگل میں گیا تو کس قدر حالات برعکس ہوئے۔

ہرگز بہ کعبہ نرسی اے اعرابی
کیں راہ تو مے روی بہ ترکستان است

نیز اگر کوئی انسان ایسا ہے جس کے لواحقات وغیرہ دنیا میں موجود ہی نہیں ہیں بلکہ ایک مجرد شخص ہے اور لواحقات ولوازمات سے محروم ہے تو یہ شخص جنگل میں جا کر تنہائی اختیار کرے تو اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اس کی کوئی قربانی نہیں ہے بلکہ وہ تو اس حال پر قدرتاً مجبور ہے۔

گداگر گر تواضع کند خوئے اوست

خدا نے قربانی اور تکلیف کے ساتھ اپنی عطا معلّق فرما دی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیۡلِ هِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّاَقۡوَمُ قِیۡلًا﴿المزمل: 6﴾

''کوئی شک نہیں کہ رات کا اٹھنا (نفس بہیمی) کو سخت پامال کرتا ہے''

مال کی قربانی، جان کی قربانی، عزت کی قربانی، خواہش کی قربانی، آرام کی قربانی، جذبات کی قربانی غرض سب طرح کی قربانیاں اس کی عطا کی قیمت ہیں۔ عطاء الٰہی سے ہر وہ قربانی جو اس کے لئے کی گئی بارآور ہوگی۔ جس طرح ایک دانہ زمین میں ضائع کیا گیا تو ہزاروں دانے اس کے ساتھ حاصل ہوئے۔ مال کی قربانی نے اس کو مال سے مستغنی کر دیا۔ جان کی قربانی سے ہزاروں جانیں اس پر قربان ہونے کے لئے حاضر ہوئیں۔ عزت کی قربانی سے ہزار ہا عزتیں اس کی ادا پر قربان ہوں گی۔ خواہش کی قربانی سے ہزاروں خواہشیں بلا ارادہ پوری ہوں گی۔ آرام کی قربانی سے ہر انسان بلکہ ہر چیز اس کے لئے ذریعہ آرام ہوگی۔ جذبات کی قربانی سے لاکھوں جذبات قربان ہو کر اسی کا جذبہ اختیار کریں گے۔ اس عمل کی تشریح درکار ہو تو حضور رسول کریمﷺ کے اصحاب رضوان اللہ علیھم اور فتوحاتِ عالم پر توجہ کی جائے۔

اس حقیقت کے علاوہ دوسری صورت بھی مدِنظر ہے وہ یہ ہے کہ انسان دو طرح کے ہوں گے۔ یا تو دنیاوی امورات اور کاروبار میں مصروف ومشغول ہیں اور جو کچھ سہولتِ رزق اور حکومت ان کو ملی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے۔

اب یہ لوگ باوجود اس شغل کے خدا کی طرف متوجہ ہوں اور وہی ذات ان کا مقصود بالذات ہو تو ان کا یہ عمل اور کام خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ اس وجہ سے ان کی قدر و منزلت کئی درجہ اعلیٰ ہوگی۔ دوسری قسم کے وہ انسان جن کے پاس جاہ و جلال و معاملات دنیا سے کچھ موجود نہیں مگر وہ ذاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کا درجہ دوسرا ہوگا۔ کیونکہ یہ فارغ تھے اور مشغول نہ ہونے کے باوجود مشغول ہو گئے۔ مگر چونکہ اس کا شغل اس کے بعد ماسویٰ اللہ سے نہ رہا اس لئے یہ بھی عبادت ہوگا اور قرب کا ذریعہ ہوگا۔

جنگل میں نشست رکھنے سے اگرچہ لوگوں سے بیگانگی پیدا ہوتی ہے مگر وہ اسرار جو مخلوق کے اندر ہیں ان کا علم بغیر جنگل نشینی کے ناممکن ہے۔ یہ مسئلہ میرے تجربے میں آ چکا ہے۔ مجھ کو تعلیم علوم اور آدمیوں کی مجالس نے جاہل کر دیا تھا۔ جب جنگل میں جاتا تھا تو میرے ذہن میں نہ جنگل ہوتا نہ بشر بلکہ ہر علم، ہر نوع مخلوق انسانی اور حیوانی پر سے نگاہ اٹھ جاتی تھی اور جاہل و عالم، نباتات، جمادات، حیوانات، انسان اور سب اقسام مخلوق ایک ہی چیز اور ایک حجاب ذات باری نظر آتے۔ نگاہ اس قدر اونچی ہوئی کہ کسی چیز کی وقعت دل میں ذرہ بھر نہ رہی بلکہ بظاہر بھی میری نگاہ میں اقسامِ مخلوق کے اندر تمیز اور تفریق نہ تھی۔ جس طرح ایک بچہ کوئی کھلونا دیکھ کر خوش ہوتا ہے جب اس کو کوئی چیز اعلیٰ سامنے نظر آ جائے تو وہ اس کھلونے کو پھینک دیتا ہے اور اس کا خیال اور شوق اس چیز کی طرف جم جاتا ہے وہ روتا ہے، فریاد کرتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے بیتاب ہو کر تڑپتا ہے۔ اسی طرح تمام اشیاء جو حجاب ذات باری ہیں ان سے نگاہ بلند ہوئی تو یکایک صاحب حجاب پر عشق آ گیا۔ بقول:

عشق آں شعلہ است کاں چوں بر فروخت
ماند یک معشوق باقی جملہ بہ سوخت

نہ عابد، نہ عبادت، نہ معبود۔ عبادت کیسی ہو؟ عبادت کون کرے؟ نہ ہی کچھ موجود ہے اور نہ ہی کچھ غیر موجود۔ ایسا وثوق ذات سے ہوا کہ:

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿المزمل:8﴾

''ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ''

کا مصداق ہو گیا۔ نہ دن ہے نہ رات ہے۔ سراسر عالمِ حیرت ہے۔

؎ سال ہم چون روز باشد روز ہم چون سالہا

کیفیت یہ ہے کہ گائے کا بچہ بھوکا تھا۔ گائے کو پہنچ کر اس کا تھن منہ میں ڈال کر دودھ پیتا ہے۔ اب کونسی چیز ہے جو اس کو ہٹا سکے۔ اس کے زور سے اوپر کوئی جبر یہ طاقت ہو تو اسے ہٹا سکتی ہے ورنہ محال ہے۔ اب اسی کیفیت کو اگر

مفصل بیان کیا جائے تو الفاظ میں آ کر غلطی ہو سکتی ہے اور میدان عبارت تنگ ہے۔ میاں محمد صاحب نے خوب کہا ''چپ محمد جس نے پایا اس نے بھید چھپایا'' **کَلَّ لِسَانَهٗ** کی کیفیت ہے۔ نشست تو زمین پر ہے مگر پاؤں آسمان کے نیچے ہیں۔ حضرت نظامیؒ نے خوب فرمایا ''زمین زیر سر آسمان زیر پا''۔ یہ کیفیت ایک ہی بار نہیں بلکہ ہر جدائی کے بعد وصل تھا۔ ''چلّہ گشت خلوت ہزار'' کا مصداق تھا اور کبھی صحو کی حالت ہو تو یہ صورت ہوتی تھی جیسے کوئی بے پدر و مادر نابالغ حیران و پریشان میدانِ وحشت میں پڑا ہے۔ واقعی حافظؒ نے یہ درست فرمایا:

ے بہ خال ہندوش بخشم سمر قند و بخارا

دنیا و آسمان سب زیر فرمان اپنے نظر آ رہے ہیں۔ ذرا سے وقفے کے بعد سب کے زیر فرمان میں خود ہو رہا ہوں۔ اب جنگل تو نہ رہا بلکہ جنت فردوس اس کا غلام تھا۔

دراصل بشریت کے تعلقات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بشریت سے علیحدہ ہونے پر انسان کی اندرونی بیداری عمل میں آتی ہے۔ بشرطیکہ کسی قدر روحانی بیداری ہو اور اگر اندرونی بیداری نہ ہو تو کسی مسیحا کے پاس سے بیداری اور زندگی حاصل کی جائے۔

اب لوگوں کو یہ حال معلوم نہ تھا کہ میں کس دولت کے ساتھ مالا مال ہوں اس لئے لوگ میرے جنگلی ہونے پر افسوس کرتے تھے۔ جناب غوث الامت والدمؒ کو سخت افسوس تھا۔ مجھ کو مجبور کرتے تھے کہ میں آبادی میں رہوں۔ اس لئے غوث الامتؒ سے بھی میرا عقیدہ درست نہ رہا تھا۔ کچھ عرصہ میں غوث الامتؒ کو اس وادیِ مقدس سے ناآشنا خیال کرتا رہا۔ انہی ایام میں ایک شخص سردار حسین خان رئیس کالاہن تحصیل ایبٹ آباد موہڑہ شریف آیا۔ یہ شخص غوث الامتؒ کا مرید خاص تھا۔ اس کا لڑکا محمد زمان خان خلیفہ تھا۔ اس شخص نے پیر صاحبؒ کے لئے ایک چوغہ تحفہ دیا۔ یہ چوغہ نہایت خوبصورت تھا سرخ رنگ کا تھا بہت باریک پشمینہ کا تھا اور اصلی سنہری زری سے جڑاؤ تھا۔ کہا جاتا تھا کہ یہ چوغہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا تھا۔ وہ چوغہ غوث الامتؒ نے پہن لیا اور کئی دفعہ پہنتے تھے۔ اس لئے غوث الامتؒ سے میرا خیال اور بھی متغیر ہو گیا۔ مگر ایک دن اسی خیال میں سوچتا ہوا سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ غوث الامتؒ نماز کے لئے کھڑے ہیں اور وہی چوغہ پہنا ہوا ہے میں دل میں سوچتا ہوں کہ یہ جگہ ایسی ہے کہ چوغہ پہن کر اس مقام میں نہیں آنا چاہیے۔ اسی خیال میں میں نزدیک ہو کر دیکھتا ہوں تو غوث الامتؒ مجھے حکم دیتے ہیں کہ اس کے اندر دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ چوغہ کا تار تار قرآن شریف اور ذکر الٰہی سے حرکت کر رہا ہے اور ایک عجیب طرح کے ذوق وشوق کی تپش مجھے لگ رہی تھی۔ یہ دیکھ کر میں پہلے خیالات سے پشیمان ہوا اور میں جاگ گیا اور میرے سب خیال درست ہو گئے۔

حضرت غوث الامّت کا مقام

اب واقعات ایسے رونما ہوتے گئے کہ دنیا واہل دنیا کی وقعت دل میں نہ رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں نے کبھی غوث الامتؒ کو بھی اپنا والد نہیں سمجھا۔ میں نے انہیں صحیح رہنما اور مرشد ہی گردانا۔ میرا وقت غوث الامتؒ کے ساتھ ایسا گزرا کہ ہرگز کبھی اس کی مثال موجود نہیں۔ اختصاراً چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے: -

1۔ میں غوث الامتؒ کے پاس ہی رہتا تھا۔ لوگ ہر طبقہ کے غوث الامتؒ کے پاس آتے تھے۔ بہت دور دراز سے بھی آتے تھے۔ غریب بھی، امیر بھی، جاہل بھی، عالم بھی اور ہر قسم کے تحفے لاتے تھے۔ گائے، بھینس، گھوڑے، کپڑے، سونا، چاندی، روپے، اشرفیاں، جواہرات وغیرہ۔ پیر صاحب کی اولاد میں یہ چیزیں تقسیم ہوتی تھیں اور بیت المال میں بھی رکھی جاتی تھیں مگر جو لوگ غوث الامتؒ کے پاس ہمیشہ موجود رہے ان کو بخوبی علم ہے کہ کبھی کسی چیز سے میں نے کوئی واسطہ نہیں رکھا اور نہ ہی طلب کی اور نہ حاصل کی اور نہ ہی خواہش رکھی۔ کیا ایسا کوئی انسان ہے کہ اپنے والد کے پاس جو چیز ہے اس کا طمع نہ رکھے اور نہ ہی کبھی حاصل کرے؟

2۔ میں نے ہمیشہ غوث الامتؒ کی خدمت کی، خلفاء کی خدمت کی، مریدین کی خدمت کی اور طریقت کی خدمت کی اور ایسی خدمت کی کہ یہ ثابت ہوا کہ ایسی خدمت کبھی کسی نے نہیں کی۔

3۔ تمام عمر غوث الامتؒ کے روبرو میں خود کبھی نہیں گیا جب غوث الامتؒ نے بلایا تو حاضر ہوا۔ کچھ پوچھا تو جواب دیا ورنہ خاموش رہا۔

4۔ غوث الامتؒ جب کوئی خواب دیکھتے یا کوئی خیال پیدا ہوتا یا واقعہ پیش آتا تو نصف رات مجھے بلا کر دریافت کرتے اور اپنے خیال کو میرے خیال سے ملا کر تسلی کرتے۔

5۔ غوث الامتؒ نے مریدین اور خلفاء اور اولاد کو میرے روبرو اور عام اجلاس میں میرے حوالے کر کے مجھ کو ان کی سفارش فرمائی۔

6۔ غوث الامتؒ نے خلفائے طریقت کو حکم دیا کہ پیر **نظیر احمد** سے دریافت کر کے میرے حکم کی تعمیل کرو اور جو وہ پسند نہ کرے اس کو ترک کر دو کیونکہ اس کے برابر اس وقت دنیا میں کوئی انسان نہیں۔ اس قدر مہربانی فرمائی۔

7۔ موہڑہ شریف گاؤں اور دور و نزدیک کے لوگ بیٹھے تھے کہ کسی نے غوث الامتؒ کو اطلاع دی کہ پیر ولی عہد صاحب (**پیر نظیر احمد** ؒ) کلڈنہ آ گئے ہیں۔ پیر صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ افسوس ہے کہ میں اس کا باپ

ہوں اور وہ میرا بیٹا ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو میں اس کا آگے کلڈ نہ جا کر استقبال کرتا بلکہ اسی طرح بار ہا ارشاد فرمایا۔

8۔ غوث الامتؒ نے ہزار ہا (تقریباً پچیس ہزار آدمی کے مجمع میں) فرمایا کہ میرے اس فرزند سے جو محبت رکھے یا اس کی مجلس میں ایک دن بیٹھے اس کی بارہ سال کی بند شدہ منزلیں کھل جائیں گی۔ جو چیز بارہ سال کی محنت سے حاصل نہ ہو سکے وہ ایک دن میں اس سے حاصل ہو سکتی ہے۔ (یہ ان کی دعا تھی یا پیش گوئی تھی) ہزار ہا لوگوں کو اس کا علم ہے۔

9۔ غوث الامتؒ نے لوگوں کو بار ہا فرمایا کہ مجھ پر خدا کے جو فضل ہیں اور ان میں سب سے بڑا فضل یہ بھی ہے کہ خدا نے مجھے **نظیر احمد** جیسا بیٹا اور ولی عہد دیا۔

10۔ غوث الامتؒ نے سب خلفاء کو حکم دیا تھا اور نو وارد اعلیٰ علماء اور سالکوں کو حکم دیتے تھے کہ پیر **نظیر احمد** سے مجلس کرو۔ مجھے اُن دنوں لوگوں سے نفرت تھی۔ اس لئے پیر صاحبؒ جب کسی خاص اور ضروری آدمی کو میرے پاس آنے کا حکم دیتے تھے تو اس کے متعلق اپنے قلم سے چھوٹا سا رقعہ لکھ کر سائیں قائم خان صاحب کو میرے پاس روانہ کرتے۔ اس صورت میں بھی دل کو مجبور کر کے کسی سے بات کرتا تھا یا کسی طرح جان بچا لیتا تھا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کو اصلی چیز کی تلاش نہ ہوتی تھی بلکہ وہ لوگ اپنی ذہنیت اور خیال کے مطابق گفتگو کرتے جو میرے خیال سے مطابقت نہ رکھتی۔ اس لئے میں اسے تضیعِ اوقات سمجھتا تھا۔

11۔ ہر خاص کام میں غوث الامتؒ میری رائے کو سب کی رائے پر ترجیح دیتے تھے بلکہ خود اپنی رائے میری رائے لیکر مرتب کرتے تھے اور میری رائے کو الہامی چیز خیال کرتے تھے۔

12۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سرکار قربِ الٰہی حضرت باوا جیؒ کہیاں شریف کے فرزندِ اعظم موہڑہ شریف تشریف لائے۔ ان کی زندگی عام بزرگوں کی طرح نہ تھی بلکہ سابقین کا نمونہ تھی۔ موہڑہ شریف آ کر وہ بھی جتنے روز رہے جنگل میں ہی تمام دن گزارتے تھے۔ ایک ہفتہ قیام فرما کر رخصت کا ارادہ کیا۔ غوث الامتؒ نے دربار کے معززین ارکان کو بلایا۔ یہ ارکان ازواج، صاحبزادگان اور خلفاء کارندے تھے۔ ان سے دریافت کیا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب واپس جانے کا خیال ظاہر فرماتے ہیں ان کو کس طریق اور کس تجویز سے رخصت کرنا چاہیے۔ ہر ایک نے علیٰحدہ علیٰحدہ رائے دی۔ آخر یہ تجویز فائق متصور ہوئی کہ ان ہمراہیوں کو کپڑے دیئے جائیں اور مناسب انداز پر نقد روپے دیئے جائیں اور خود صاحبزادہ صاحب کے لئے قیمتی اعلیٰ پوشاک بنوائی جائے اور ایک ہزار روپیہ

کی گھوڑی اور ایک سوا کیس روپیہ نقد پیش کئے جائیں۔ اس پر فیصلہ ہوا۔ پھر پیر صاحب نے رات کے وقت سائیں قائم خان کے ذریعے مجھے بلایا اور علیحدگی میں میری رائے دریافت کی۔ میں نے عرض کیا کہ اس سوال کی کیا ضرورت ہے آپ ان کے غلام ہیں وہ آپ کے اور ہر چیز کے مالک ہیں اس لئے سب چیزیں پیش کر دینی چاہئیں۔ ایک گھوڑی کی بجائے پانچ گھوڑیاں (جو اس وقت موجود تھیں اور اعلیٰ نسل کی تھیں) سب پیش کر کے اپنے آدمیوں کے ذریعے دربار عالیہ کہیاں شریف پہنچا دینی چاہئیں۔ پیر صاحبؒ نے میری رائے سنی تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہی اصل اور قابل عمل رائے ہے۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ تیسرے دن حضرت صاحبزادہ صاحب کو پیش کر دیا گیا اور اس امر پر توجہ نہ رکھی گئی کہ وہ منظور کریں۔ اپنے آدمی لگا کر دربار کہیاں شریف روانہ کر دیا گیا۔ رخصت کے وقت سب آدمی کشمیری بازار تک گئے۔ میں بیمار تھا میں بھی گیا۔ وہاں آگے کی طرف ایک میدان ہے وہاں بیٹھے اور سب کو رخصت فرمائی۔ اتنے میں میرا نوکر میرا گھوڑا سامنے سے گزار کر لے جا رہا تھا۔ یہ گھوڑا بہت خوبصورت تھا اور بہت بڑا تھا اور دریائی نسل سے تھا۔ کراچی سے منگوایا تھا۔ صرف اس کی زین ساڑھے چار صد روپیہ کی تھی۔ پنجاب میں کسی والئی ریاست کے پاس بھی ایسا گھوڑا نہ تھا۔ مہاراجہ پونچھ نے بھی گھوڑے منگوائے تھے مگر اس کے مقابلے میں ان کی اس کے نوکروں کی حیثیت تھی۔ آرمی ریماؤنٹ سرکل (Army Remount Circle) والوں نے سرکاری سانڈ مقرر کرنے کے لئے طلب کیا تھا مگر میں نے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے گھوڑے پر نظر ڈالی تو مجھے فرمایا ''یہ گھوڑا کس کا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ میرا ہے۔ اس کا حال پوچھا میں نے بتایا۔ ان کی زبان سے نکلا اچھی چیز ہے۔ میں نے عرض کیا آپ سب سے اچھے ہیں اس لئے اچھی چیز آپ کے ساتھ رہے گی۔ اب مجھ کو اس پر سوار ہونا حرام ہے اور وہ بھی ان کے ساتھ روانہ کیا۔ گھوڑا اس شان کا تھا کہ ایک دفعہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک شخص کو اس پر سوار کیا اور وہ تیز چل پڑا تو اس کو وہ شخص روک نہ سکا، بے خود ہو گیا۔ آگے دریا تھا گھوڑا دریا سے نہ رکا اور اسی رفتار سے دریا کے پار ہو گیا۔

مجھ کو قبلۂ عالم باواجی سرکار کہیاں شریفؒ سے سخت محبت تھی اور ہر وقت خیال ان کے ماتحت رہتا تھا۔ کوئی آدمی اور کوئی چیز ان کے برابر نہ تھی۔ ان کی شان اور محبت کا استحضار کامل ہر وقت رہتا تھا۔ میں اس سرکار کو احدیت کا دروازہ خیال کرتا ہوں اور مظہر ذاتِ حق سمجھتا ہوں۔ جو کچھ ان کے حضور مجھ کو محسوس ہوتا ہے اور ملتا ہے۔ ایسی کوئی مخلوق نظر نہ آئی جس سے وہ ظاہر ہو سکے۔ تمام کیفیات اور اس سرکار کی حقیقت میرے سامنے رہتی ہے اور اس شان کا مشاہدہ ہو کر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کس قدر بلند ہو گی جس کا نائب یہ وجود ہے۔ تو بے ساختہ یہ شعر زبان پر آ جاتا ہے:

؎ نوکر جنہاندے ایسے ہو ون واہ سلطان اونہاندے

حضرت غوث الاعظم کی تصنیف

اس جنگل نشینی سے یہ چیز مجھ کو حاصل ہوئی اور اس قدر ذہنیت صاف ہوئی کہ دنیا میں جس قدر کتابیں اور علوم اور حالات سالکین یا واقعات علمی و عملی ہیں، کوئی چیز ایسی نہ رہی جو میری طبیعت پر نا آشنا معلوم ہو بلکہ ہر چیز گزری ہوئی دیکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور وہ پیچھے رہ گئی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ دل میں اس کی کوئی وقعت پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک دفعہ ان ایّام کے آغاز میں ایک عالم ایک کتاب بطور تحفہ نایاب میرے پاس لایا۔ وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی لکھی ہوئی تھی۔ میں نے ابتداء میں اس کو بغور پڑھا اور ملاحظہ کیا۔ تو مجھ کو سخت غصّہ آیا کیونکہ وہ طبیعت کے خلاف معلوم ہوئی۔ میں نے سمجھا کہ یہ ان کی تصنیف ہی نہیں ہوگی۔ میں نے اپنے تجربے اور علم کے خلاف معلوم کر کے اس کو غصّہ کی حالت میں دور رکھ دیا۔ اس جگہ وہ کتاب پڑی رہی۔ ایک روز ایک بکری جو پھرتے پھرتے وہاں آ گئی اس نے کتاب کے ورق کھانا شروع کئے۔ کسی نے بکری سے چھڑا کر کتاب مکان کے اندر لا کر رکھ دی۔ چھ مہینہ کے بعد سفیدی کے لئے کمروں کا جب سامان باہر نکالا گیا تو وہ کتاب میرے ہاتھ آ گئی۔ میں نے اس کو پھر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں تین امور میری مرضی کے خلاف تھے۔ ان میں سے ایک ان ایّام میں مجھ پر گزر چکا تھا اور درست تھا مگر دو مخالف تھے۔ پھر غصّہ آیا اور میں نے اسے تلف کر دینے کے لئے رکھ دینا چاہا۔ لیکن مستری لوگ جو مکان کی دیوار بنا رہے تھے ان کو دے دی۔ انہوں نے دیوار میں رکھ کر دیوار اوپر چڑھا دی۔ اب بالکل مفقود ہو گئی۔ ایک سال گزرا تو اتفاقاً وہ دیوار بارش سے گر گئی اور وہ کتاب برآمد ہو گئی۔ پھر میں نے صاف کر کے اس کو بغور پڑھا تو دونوں بقایا امور بھی مجھ پر گزر چکے تھے اور ہر سہ معاملات اسی عمل کے موافق گزر رہے تھے تو میں نے سمجھا کہ یہ بالکل درست پروگرام تھا۔ میں نے اس کتاب کو خوب اچھی طرح سنبھالا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تحریر اور ان کے علومِ لاثانی پر یقین کامل اور پختہ اعتبار آیا۔

وسعتِ علم

اسی طرح کوئی معاملہ، کوئی مشاہدہ، کوئی شائبہ ایسا ہرگز نہیں جو از روئے علم روحانی مجھ پر گزر نہ گیا ہو۔ ہر وقت ہر زماں یہ شعر زبان پر آتا ہے:

اگر بر روید بر تن صد زبانم
چو سوسن شکر لطفت کے توانم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَنِّهٖ وَ كَرَمِهٖ وَفَضْلِهٖ۔ کوئی مذہبی کتاب، کوئی علومِ حکمیہ کی کتاب، کوئی سلوک کی کتاب اگر میں دیکھوں تو مجھ کو اسی طرح معلوم ہوتی ہے جس طرح چوتھی جماعت کی کتاب ہو۔ خداوند کریم نے عینک کا

شیشہ اس قدر درست کیا کہ سب چیزوں سے نگاہ گزر کر مطلوب پر پڑتی ہے۔ یہ اس لئے لکھا گیا کہ حکمِ الٰہی ہے:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ﴿الضحیٰ : 11﴾

''اور جو احسان ہے تیرے رب کے سو بیان کر''

میں تو چاہتا ہوں کہ بانگِ دُہل مالک کے احسانات کو بیان کروں۔ مگر بیان نہیں ہو سکتے۔ الفاظ میں نہیں آ سکتے۔ منزلِ آدمیت میں آ کر سوائے خاموشی کے اور کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ تعجب ہے کہ نگاہ اور بصیرت کے آگے جو حجاب وغبار ہیں وہ بھی علوم اور دین سے مرتب ہیں۔ اس لئے کہ عبادت کی حد نہایت اسفل ہے۔ جس مقام سے نکلنا چاہیے اسی مقام میں عابد اور عبادت ہے اور اسی سے اسماء الحسنٰی سب اسمائے صفات ہیں۔ اور مسلّم ہے کہ لفظ اللہ اسم ذات ہے۔ مگر حقیقت میں یہ لفظ بھی اس مقام (دائرہ ماسویٰ اللہ) سے آگے نہیں ہے۔ اس کا معنی معبود برحق ہے۔ اس میں کسی غیر کا اشتراک ممکن نہیں۔ اس لئے یہ اسمِ ذات الٰہی ہوا۔ مگر جب دائرہ ماسویٰ اللہ سے نکلے تو یہ لفظ مابعد رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ عابد کا وجود لازم ہے عبادت سے، عبادت لازم ہے معبود سے، جو موجود ہے اور لفظ ایک مخصوص صفت کی تعبیر کرتا ہے۔ تو لفظ ضروری ہوا جو عابد اور عبادت سے آگے ہو تو اس کیفیت کی تعبیر کے لئے صرف ''**ھُو**'' ہی متصوّر ہے اس لئے کہ یہ محض ذات کے واسطے ہے۔ مگر ذات لفظ ''**ھُو**'' کا موضوع ہے۔ اس لئے ذات کی تعبیر کے لئے لفظ اللہ ضروری ہوا۔ کیونکہ لفظ ''**اللّٰه**'' سے عروج بذریعہ لفظ ''**ھُو**'' ہی ممکن ہے۔ اس لئے تمام طریقوں اور اہل باطن بزرگوں کے معمولات سے اسم **اللّٰه ھُو** ہی وہ اسم ہے جس کے ذریعے دائرہ مخلوق سے ذات احدیت تک رسائی ہو سکے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انسان جسمانی زینت کا سامان عمل میں لاتا ہے تاکہ تشویق وتحریص پیدا ہو۔ جس سے مدعا وصل کامل ہو۔ وہی جس سے مقصود قرب تام ہو۔ مگر منازل تشویق وتحریص جو کہ اسباب قرب تھے وہ سب مخالف قرب ہوں گے۔ جب قرب حاصل ہو۔ اسی طرح عبادت وغیرہ باعث قرب ہے مگر قرب کی حقیقت میں یہ قرب کے مخالف ہو جاتا ہے۔ ثابت ہوا کہ عبادت دینوی منزل اسفل ہے۔ اقرب منزل وہ ہے جس میں عبادتِ معبود سے عروج پیدا ہو۔ یہاں پر اس کا طفیلی اثر بھی زندگی پر پڑتا ہے۔ اندریں حالات انسان کو ذات الٰہی سے ایک واسطہ محکم پیدا ہونا چاہیے۔ جس طرح ایک چھوٹا بچہ ہے وہ باپ کو دیکھ رہا ہے کس طرح ممکن ہے کہ وہ باپ کے سوا کسی اور سے درخواست کرے البتہ اگر باپ موجود ہے مگر نظر نہیں آتا تو اس صورت میں وہ ہر دوست سے متوجہ ہوگا اور مانگے گا۔ یعنی انسان کو قرب کی صورت میں ذاتِ الٰہی سے واسطہ پیدا ہو جائے تو بصورتِ اضطرار وہ حقیقی مالک ہی کی طرف متوجہ اور سائل رہے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو غیر کی طرف متوجہ ہے اس کا واسطہ ذاتِ حق سے نہیں ہے۔

جنگل نشینی، خلوت نشینی وغیرہ سے مراد و مقصود صرف یہی کیفیت ہے کہ صفات الٰہی کا کامل مشاہدہ پیدا ہو۔ یہ چیز علم کی تکمیل سے ہوسکتی ہے۔ انسان پر جب کسی چیز کا ذاتی علم یا مشاہدہ پیدا ہو جائے تو کسی صورت اس کا عمل اس علم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کئی آدمی ہمارا حکم مانتے ہیں، دل و جان سے تابع فرمان کامل ہیں، جو حکم دیا جائے فوراً عمل کرتے ہیں، مگر ان ہی آدمیوں کو جب کہ نصف النّہار ہو تو کہا جائے کہ اس کو نصف اللیل مانو۔ تو کس طرح مانیں گے؟ ہرگز نہیں مانیں گے۔ اس لئے کہ ان کو ذاتی علم ہو چکا ہے۔ اب جس انسان کو صفاتِ باری تعالیٰ کی سیر یا مشاہدہ کا علم ہو چکا ہو وہ اس کے خلاف کس طرح عمل کرے گا۔ ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ اس کو تبتل اور انقطاع پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا سورۃ المزمّل میں حکم دیا گیا ہے۔

اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ :چند مثالیں

چنانچہ عوام کی توجہ کے قابل چند مثالیں درج کے جاتی ہیں۔

1۔ ایک دفعہ میں راولپنڈی میں راجہ فضل الٰہی خان بیرسٹر صاحب کے مکان پر مقیم تھا۔ سائیں قائم خان صاحب میرے ہمراہ تھے۔ سردی کے دن تھے۔ جب باہر نکلا تو ہندو سیٹھ مہیا داس بینکر گندم منڈی راولپنڈی سڑک سے آ رہا تھا۔ وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ ایک عرض کرنی ہے۔ عرض یہ ہے کہ میرا ایک ضروری کام ہے جس کے لئے رقم جمع کرنی ہے صرف ایک ہزار روپیہ کم ہے اگر آپ کے پاس ہو تو دے دیں۔ لنگر کا روپیہ پانچ ہزار بقایا ہے صرف یہ رقم آج ضرورت ہے۔ حالانکہ میں نے کبھی لنگر کی خرید اور غلّہ یا بازاری معاملات کو ہرگز نہ دیکھا اور نہ ہی جانتا تھا نہ مجھ کو واقفیت تھی کہ کیا کیا جاتا ہے اور اس سیٹھ سے لنگر کے لئے کیا خریدا جاتا ہے۔ اس کو یہ خیال آیا کہ چونکہ بڑے صاحبزادے ہیں اس لئے اس نے عرض کر دی۔

اب میرا حال یہ تھا کہ میں نے کبھی روپیہ پاس رکھا ہی نہ تھا بلکہ ان معاملات سے قطعاً نا آشنا تھا۔ میں نے لاپرواہی اور بے سمجھی سے جواب دیا کہ اچھا کل سویرے آ جانا۔ وہ تسلی کر کے چلا گیا۔ جب شام ہوئی تو سائیں قائم خان نے مجھے آ کر کہا کہ آج آپ نے بڑی غلطی کی ہے وہ یہ کہ آپ نے سیٹھ مہیا داس کو غلط جواب دیا۔ وہ صبح آئے گا اور روپیہ مانگے گا اگر آپ نے نہ دیا تو آپ کی زبان کا وعدہ خطا ہو جائے گا۔ اگر ہے تو مجھے دے دیں تا کہ میں جا کر اسے دے آؤں۔ آپ نے کبھی روپیہ کے ساتھ تعلق ہی نہیں رکھا تو یہ جواب کیوں دیا۔ میں نے سائیں قائم خان سے پوچھا کیا تمہارے پاس روپیہ ہے؟ اس نے کہا میرے پاس کہاں سے آیا۔ اب فکر پڑ گئی یہ کیا غلطی ہو گئی۔ ان معاملات کا تجربہ نہ تھا نہ واقفیت۔ اب رات کو میں نے دعا کی خدایا! مجھ سے یہ غلطی ہو گئی اس لئے مہیا داس صبح میرے پاس نہ آئے یا ایک ہزار روپیہ مجھ کو صبح سے پہلے مل جائے۔ اب فکر معدوم ہو گیا۔ صبح نماز پڑھ کر میں بیٹھا

ہوا وظائف میں مصروف تھا کہ سیڑھیوں سے چڑھ کر ایک آدمی اوپر آیا اور میرے پیچھے آ کر بیٹھ گیا۔ بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی کیونکہ میں مصروف تھا۔ وہ بہت انتظار کر کے سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا اور جاتے وقت چمڑے کا بٹوہ میرے نزدیک رکھ گیا۔ میں جب فارغ ہوا تو راجہ صاحب آ گئے اَور آدمی بھی آ گئے۔ وہ بٹوہ میں نے سرہانے رکھ دیا اور کام میں مصروف ہو گیا۔ مجھے کچھ خیال نہ آیا کہ یہ کیا ہے اور نہ سیٹھ مہیا داس کے آنے کی بات یاد رہی اور تمام دن سیٹھ نہ آیا اور بعد میں بھی نہیں آیا۔ تین دن کے بعد موہڑہ شریف آنے کا وقت ہوا تو وہ بٹوہ کھول کر دیکھا تو ایک ہزار روپیہ نقد کے نوٹ تھے اور ایک اینٹ سونے کی تھی۔ اب میں حیران ہوا کہ یہ کون تھا اور کیوں لے کر آیا۔ بڑی تشویش کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں نے خدا سے مانگا تھا، اس نے وہ بھی روانہ کر دیا اور مہیا داس بھی نہ آیا۔ دونوں باتیں مان لیں۔

2۔ ایک دفعہ راولپنڈی میں راجہ فضل الٰہی صاحب بیرسٹر کے مکان پر کچھ دن رہا۔ پھر موہڑہ شریف آنے کا ارادہ کیا۔ میرے ساتھ بابو محمد شفیع خان تھا۔ میں نے صبح سویرے اس کو کہا کہ آج موہڑہ شریف جانا ہے جا کر موٹر لے آؤ۔ وہ موٹر لے آیا۔ سامان موٹر میں رکھ دیا۔ میں خود بھی موٹر میں بیٹھ گیا۔ موٹر کے ارد گرد بہت آدمی تھے جو ملنے والے تھے۔ سامان وغیرہ ٹھیک کر کے ڈرائیور سامنے آیا۔ اس نے کہا کہ جناب اس موٹر کا کرایہ اٹھائیس روپیہ مقرر ہوا ہے۔ نصف روپے یہاں دیئے جائیں تا کہ پٹرول وغیرہ ڈال لوں۔ میں نے بابو محمد شفیع سے کہا کہ روپے دے دو۔ اس نے پشتو میں کہا کہ روپے تو میرے پاس نہیں ہیں۔ روپیہ وہی رکھتا تھا۔ میں حیران ہو گیا کہ اس نے یہ کیا بے وقوفی کی ہے جب روپیہ نہیں تھا تو موٹر نہ لاتا۔ اب موٹر میں بیٹھ گئے ہیں اب نہ موٹر چھوڑ سکتے ہیں اور نہ روپیہ ادا کر سکتے ہیں۔ اگر کسی سے ایک ہزار روپیہ لیتا تو وہ بھی مل سکتا تھا مگر میں نے کبھی اس طرح امداد نہیں لی۔ اب تقریباً دو تین منٹ اپنے ہی مالک سے متوجہ ہوا کہ اب شرمندگی کا کچھ بندوبست کیا جائے۔ اتنے میں ایک شخص بابو غلام نبی صاحب رینجر زگھوڑا گلی آ گیا۔ دو آدمی اس کے ساتھ تھے اس نے کہا کہ ہم نے گھوڑا گلی جانا ہے اور کوئی موٹر نہیں ملی مجبوراً آپ سے عرض کرنی پڑی کہ یہ موٹر چھ آدمیوں کے لئے ہے ایک آدمی آپ کے ساتھ خادم ہے، ہم بھی تین آدمی آپ کے خادم اس میں بیٹھ جائیں۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ موٹر غلطی سے منگوائی۔ آج جمعہ ہے اور ہم نے نماز جمعہ پڑھنی ہے۔ آپ یہ موٹر لے جائیں۔ ہم جمعہ کی نماز کے بعد جائیں گے۔ یہ کہہ کر موٹر اس کے حوالے کی۔ بابو شفیع سے پوچھا کہ کوئی روپیہ بھی نہیں؟ اس نے کہا کہ دو روپے ہیں۔ میں نے وہ دو روپے اس سے لے لئے اور کہا کہ ان کو زیادہ کرو۔ اس نے کہا کہ میں کس طرح کروں۔ میں نے کہا کہ ان کے آنے آنے بدلا کر مجھے دے دو۔ وہ بدلا کر لے آیا۔ میں نے راجہ صاحب سے کہا کہ چلو میرے ساتھ صدر تک جاؤں گا۔ راجہ صاحب نے کہا بہت اچھا۔ ٹانگہ منگوانا چاہتے تھے۔ میں نے کہا کہ نہیں پیدل چلیں گے۔

چنانچہ پیدل چلے اور صدر پہنچنے سے پیشتر ہی وہ دو دو آنے میں نے راستے میں آدمیوں کو دے دیئے اور وہ ختم ہو گئے۔ میں نے راجہ صاحب سے کہا کہ اب ٹانگہ پکڑو۔ جامع مسجد نماز کے لئے جانا ہے۔ چنانچہ ٹانگہ پکڑا اور سیدھا جامع مسجد پہنچ کر نماز جمعہ میں شریک ہوئے۔ بعد فراغت نماز باہر نکل رہے تھے کہ ایک شخص دوڑ کر آیا اور ملاقات کی۔ اس نے کہا کہ آپ کی ایک امانت ہے یہ منظور کر لیں اس نے چالیس روپے پیش کیے۔ میں نے فوراً لے لئے اور بابو محمد شفیع کو کہا کہ موٹر لے آؤ۔ وہ اٹھائیس روپے سے موٹر لے آیا اور اس میں بیٹھ کر ہم چل پڑے۔ پہلی موٹر ابھی راستہ ہی میں کھڑی تھی اور ہم اس سے پہلے کلڈ نہ پہنچ گئے۔

3۔ ایک دفعہ ڈیرہ اسماعیل خان جانے کی ضرورت ہوئی۔ پشاور سے جانا ہوا مگر سامان پشاور میں چھوڑا تھا۔ ایک آدمی مسمی فرمان علی گجر خان کا ہمراہ تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خان پہنچا تو شب باشی کے متعلق دریافت کیا۔ تو ڈاک بنگلہ میں رہنا پسند کیا۔ حالانکہ خاص دریا خان میں چوہدری ممتاز صاحب انجینئر بھی تھے، پیر صاحب موسیٰ زئی بھی موجود تھے اور نواب زادہ عبدالرحمٰن وغیرہ بھی بہت سے خاص احباب موجود تھے۔ مگر میری عادت تھی کہ کسی کے پاس نہ ٹھہروں اور اطلاع بھی کسی کو نہ دی۔ ڈاک بنگلہ والوں نے صبح بل کی رقم طلب کی میں نے فرمان علی کو کہا کہ روپے دے دو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی روپیہ نہیں ہے اور بکس پشاور چھوڑ آیا ہوں اور اپنے پاس کچھ نہ ہوتا تھا۔ اب تعجب ہوا کہ کیا ہو۔ میں نے ڈاک بنگلے والے کو کہا کہ شام کو دے دیں گے۔ وہ مان گیا۔ میں ایک ٹانگہ پکڑ کر تار گھر چلا گیا۔ وہاں ایک شخص محمد امیر پراچہ بازار کوہاٹ کو تار دے دی کہ روپیہ جلدی روانہ کر دو۔ اس کو اس لئے تار دے دی کہ میرا اپنا روپیہ ضروری کاموں کے لئے اس کے پاس موجود رہتا تھا۔ اب اس کو تار تو مل گئی مگر اس نے جواب ہی نہ دیا۔ روپیہ بھی روانہ نہ کیا۔ شام تک انتظار کی۔ ڈاک بنگلہ والا آیا اور روپیہ طلب کیا اور ٹانگے والے نے بھی طلب کیا۔ اب روپیہ نہیں ہے۔ بہت تشویش ہوئی۔ ان کو دوسرے روز کا وعدہ دیا۔ پھر روپیہ نہ آیا۔ پھر وہی قصہ ہوا۔ دوسرے کمرے میں ایک مسافر ٹھہرا ہوا تھا وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ میں نے کہا ہاں سچ ہے۔ اس نے ایک صد روپیہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا یہ آپ کی نذر ہے۔ میں کل ''رزمک'' سے واپس آؤں گا تو آپ کی مزید خدمت کروں گا اور مجھ سے بہت پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ میں نے نہیں بتایا۔ میں نے روپیہ واپس کر دیا کہ میں نہیں لے سکتا۔ بہت اصرار کے بعد روپیہ واپس ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر فرمان علی سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ ایک گھڑی سونے کی گل بادشاہ نے ٹھیک کروانے کے لئے دی تھی، وہ ہے۔ گھڑی میں نے اس سے لے لی اور اسی ٹانگہ کو لے کر بازار گیا۔ وہاں ایک گھڑی ساز سکھ کو کہا کہ اس کو ٹھیک کر دو۔ اس نے کہا دو دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔ گھڑی اس نے رکھ لی۔ میں نے اس سے کہا کہ کوئی روپیہ ٹانگے والے کو دے دو۔ اس نے بہت سے روپے کے نوٹ لے کر ہاتھ پر

رکھ کر میرے سامنے پیش کیے۔ میں نے صرف پانچ روپے کا نوٹ لے کر ٹانگے والے کو دے دیا اور واپس آ گیا۔

اب بقایا روپیہ کا پھر تقاضا ہوا۔ میں پھر دوبارہ باہر چلا گیا۔ باہر نکل رہا تھا کہ ایک غریب اور مسکین شخص لاچار بیمار آہستہ آہستہ میرے پاس پہنچا۔ اس نے کہا کہ میں مسافر ہوں اور بیمار ہوں کوئی مدد کرو۔ میں نے اس کو دیکھا اور برآمدے میں بٹھا دیا اور فرمان علی کو دو روپے دیئے کہ بازار سے ایک بوٹی لے آؤ۔ وہ لے آیا۔ میں نے فرمان علی کو کہا کہ یہ پانی میں جوشاں کر اس کو پلاؤ۔ وہ اس کام میں مشغول ہو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک معتبر شخص کوہ مری کا رہنے والا اس بیمار کے پاس بیٹھا ہے۔ نزدیک آیا تو وہ شخص مجھ کو ملا۔ میں نے پہچان لیا۔ اس نے کہا کہ میں راولپنڈی میں تھا۔ میں نے آلو کی ایک گاڑی بھر کر راولپنڈی میں فروخت کی۔ دوسرے دن گھر جانا تھا۔ رات کو خواب میں غوث الامت (والدمؒ) نے حکم دیا کہ سب روپیہ لے کر ڈیرہ اسماعیل خان چلے جاؤ۔ میں سویرے ہی چلا آیا۔ پھرتے پھرتے یہ لڑکا دیکھا۔ یہ لڑکا وہی لڑکا ہے جس کے متعلق سات سال سے میں آپ کے پاس حاضر ہوتا رہا ہوں کہ وہ عدم پتہ ہے۔ اب یہ یہاں مل گیا ہے۔ اس لڑکے نے مجھے بتایا کہ کوئی آفیسر ہے جس نے مجھے یہاں بٹھایا ہے اور دوائی پلائی ہے۔ مدت کی بیماری ایک دم چلی گئی۔ اب اس سے ضرور ملونگا۔ جب میں آیا تو اس نے یہ حال بیان کر کے جو روپے اس کے پاس تھے میرے حوالے کئے۔ میں نے گھڑی واپس لی۔ ڈاک بنگلہ والے کا بل ادا کیا اور موٹر منگوائی اور واپس آ گئے۔ وہاں اس قدر تکلیف برداشت کی مگر کسی سے مدد نہ لی۔ حالانکہ وہاں کئی ہزار روپیہ مجھ کو ایک دم مل سکتا تھا۔ جس مالک نے ذمہ داری لے رکھی تھی میں بھی اسی کا مہمان تھا اس نے مدد کی۔

4۔ ایک دفعہ ہم نے کوری شہر جانے کا ارادہ کیا۔ آٹھ آدمی بھی ساتھ تھے۔ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ ہم نے رات میں ہی جانا تھا۔ جانے سے دو دن پہلے ایک آدمی نے آ کر بتایا کہ کوری شہر میں دودھ ہرگز نہیں ملتا آپ دودھ پر گذارا کرتے ہیں بہتر ہو گا کہ ایک بھینس ساتھ لے جائیں۔ چنانچہ یہی تجویز ہوئی۔ بھینس تیار کی۔ جب روانہ ہوئے تھوڑی دور جا کر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ گھوڑا جس پر میں سوار ہوں اس کو روزانہ چار سیر چنے اور حلوہ کھلاتا ہوں۔ جس طرح سے بھی ہو کھلاتا ہوں۔ خواہ آسان یا مشکل ہو اور یہ ضروری ہوتا ہے۔ مجھ کو خدا ہمیشہ دودھ دیتا ہے اب وہ کوری شہر میں کیوں نہ دے گا۔ اگر بھینس لے جاؤں ممکن ہے یہ دودھ ہی نہ دے۔ کیونکہ معاملہ تو مالک کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ میں نے بھینس واپس کر دی۔ سب نے مخالفت کی۔ مگر میں نہ مانا۔ رات ہی کو جب کوری شہر پہنچے وہاں سے ہماری جگہ ایک میل آگے تھی۔ کوری شہر کے آگے مدرسہ سے نیچے اترائی ہے۔ جب اترائی ختم ہوئی تو صبح کا ذب کا وقت ہو گیا تھا۔ دائیں طرف اونچی جگہ پر ایک کنواں ہے وہاں سے ذکر کی آواز آئی۔ تعجب ہوا کہ یہ جگہ تو سکھوں کی ہے۔ یہاں ذکر کیسا۔ میں نے گھوڑا کھڑا کیا اور ایک آدمی کو کہا کہ جاؤ دیکھو یہ کون آدمی ہے۔ وہ گیا اور اس آدمی کو ساتھ لے آیا۔ ہم سے ملاقات ہوئی وہ شخص چک شہزاد کا

رہنے والا عطا محمد تھا۔ وہ جگہ دو چار کوس دور ہے۔ اس نے کہا کہ پرسوں خواب میں دیکھا کہ آپ کوری شہر تشریف لائے ہیں اور غوث الامتؒ نے حکم دیا کہ دودھ لے جاؤ۔ میں ایک من دودھ لے کر آ گیا اور آپ موجود نہ تھے اب آپ آ گئے۔ اچھا ہوا۔ وہ دودھ لے کر ہمارے ساتھ ڈیرے پر پہنچا۔ سب نے دودھ پیا۔ بعض نے کہا کہ یہاں دودھ نہیں مل سکتا۔ آپ کے لئے رکھ لیں۔ میں نے کہا نہیں، اسی وقت اس کو پی جاؤ ورنہ بند ہو جائے گا۔ ہم کئی روز وہاں ٹھہرے۔ وہ شخص روزانہ ایک من دودھ لاتا تھا اور سب پیتے تھے۔

5۔ ایک دفعہ میں مدراس کی طرف جا رہا تھا میرے ہمراہ جو آدمی تھے ان میں سے دو آدمی رخصت کر دیئے۔ ایک مولوی حاجی سید گلاب شاہ سکنہ کالو علاقہ حضرو میں نے ساتھ رکھا۔ میرے بکس کی چابیاں اس کے پاس تھیں۔ مگر راستے میں شاہ صاحب نے سب روپیہ نکال لیا۔ جب میں نے روپیہ طلب کیا تو منکر ہو گئے۔ میں نے ان کو بغیر کسی مزاحمت کے علیحدہ کر دیا۔ وہ مع روپیہ کے چلے گئے۔ دوسرا آدمی غلام محمد ساتھ رکھا۔ جب سکندر آباد پہنچے تو وہاں اسٹیشن کے ساتھ ایک سرائے میں ٹھہرے۔ سرائے والوں نے دوسرے دن روپیہ طلب کیا۔ غلام محمد سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں صرف چھ آنے ہیں۔ سرائے والوں سے کہا گیا کہ صبر کرو۔ دوسرے روز پھر تقاضا کیا۔ پھر وہی جواب دیا۔ غلام محمد نے کہا کہ یہاں نزدیک ''ٹرمل گزی'' میں ایک پلٹن ہے اس میں میرے رشتہ دار ملازم ہیں۔ میں جا کر ان سے کچھ روپے قرض لے آؤں۔ قرضہ میں اپنے نام پر لوں گا اور خود ہی ادا کروں گا۔ اس لئے اس کو اجازت دی۔ چائے، چینی، گھی، آٹا، چاول اور کھانے کی چیزیں ہر وقت ساتھ رہتی تھیں۔ کوئلہ بھی ساتھ رہتا تھا۔ اس نے کہا آپ کو کھانا کھلا کر جاؤں گا۔ وہ سبزی پکا کر لایا اور رخصت ہوا۔ جاتے وقت میں نے اس سے کچھ روپے طلب کئے۔ اس نے صرف ایک آنہ دیا کہ یہی بچا ہے۔ وہ میں نے لے لیا اور وہ چلا گیا۔ بعد میں مجھے قے ہو گئی۔ میں مسجد میں چلا گیا اور غسل کیا۔ نماز پڑھی۔ بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ بھوک بھی محسوس ہوئی۔ اب ایک آنہ سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ایک آنہ ایک سوالی کو دے دیا اور سیدھا اسٹیشن پر چلا گیا۔ وہاں تار والی کھڑکی میں تار لکھوائی کہ فوراً بذریعہ تار روپیہ منی آرڈر کرو۔ تار بابو نے کہا کہ ایک روپیہ آٹھ آنے تار پر لگتا ہے دے دیں۔ میں نے کہا کہ روپیہ تو نہیں ہے۔ ادھار پر تار دے دیں۔ اس نے کہا کہ ادھار پر تار دینے کا حکم نہیں ہے۔ اس لئے میں خاموش ہو گیا اور اسی پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔ میرے کپڑے بہت میلے تھے۔ سر ننگا تھا۔ تیل لگایا تھا۔ حالت خراب تھی۔ اُسی وقت ایک خوبصورت موٹر نزدیک آ کر رکی۔ اس سے دو آدمی معزز صورت نکلے اور فرسٹ کلاس کی طرف گئے۔ مگر کمرہ کے سامنے جا کر سیدھا میرے پاس آ گئے اور سلام کیا اور کہا کہ ایک عرض ہے۔ میں نے کہا کیا ہے۔ ان میں سے بڑے معمر آدمی نے کہا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں مسافر ہوں کوئی جگہ وغیرہ نہیں ہے آگے مدراس تک جانا ہے۔ اس نے کہا

کہ آپ کی طبیعت پر کچھ خفگی محسوس ہو رہی ہے کیا وجہ ہے؟ میں نے بتایا کہ بابو کو ادھار تار دینے کو کہا تھا، وہ نہ مانا۔ اس شخص نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بہت سے نوٹ نکالے اور دونوں ہاتھوں پر رکھ کر میرے سامنے پیش کیے کہ یہ آپ کی نذر ہے۔ میں نے انکار کیا۔ اس نے بہت اصرار کیا مگر میں نے کہا کہ میں ہرگز نہیں لے سکتا۔ پھر اس نے کہا کہ میری یہ موٹر حاضر ہے میرے بنگلہ پر تشریف لے چلیں۔ میں نے کہا کہ پھر کسی وقت مناسب ہوا تو آؤں گا۔ اس وقت آپ میری بات مان لیں کہ آج چار بجے چائے میرے ساتھ پئیں اور میں نے اپنے ڈیرے کا پتہ بتایا۔ اس نے ہاں کر لی۔ ڈیرہ پر واپس آیا تو غلام محمد واپس آ چکا تھا اور افسوس ناک تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ پلٹن ہی بدل چکی ہے اور کوئی واقف نہیں ملا بس خفا ہو کر بیٹھا تھا۔ اتنے میں دو آدمی سرائے کے دروازہ پر کھڑے پوچھ رہے تھے کہ پیر صاحب کہاں ہیں۔ جب انہیں اندر بلایا تو وہ کوہ مری کے تھے۔ وہ ایک ٹوکری کیک اور ایک ٹوکری فروٹ لائے اور کہا کہ کسی نے آپ کو اسٹیشن پر دیکھا تھا ہم کو پتہ دیا۔ یہاں پر کوہ مری کے چالیس آدمی قریب ہی گورا پلٹن میں کام کرتے ہیں۔ میں نے ان کو رخصت کیا۔ غلام محمد نے کہا کہ ہم ان ہی سے روپیہ قرضہ لے لیں۔ میں نے کہا کہ کوہ مری کا مالک جو چاہے وہی بہتر ہوگا۔ چار بجے وہ صاحب تشریف لے آئے اور چائے طلب کی۔ اب ہمارے پاس جو سامان تھا وہ ہم نے پیش کر دیا۔ اس نے تھوڑا کیلا کھایا اور چلا گیا۔ اب غلام محمد پر مایوسی نے زیادہ خراب اثر ڈالا۔

6۔ ابتدائی ایام میں میں نے ''قلیوبی'' میں ایک قصہ پڑھا تھا کہ ایک عورت کو والدین نے بچپن میں عادت ڈال دی تھی کہ ہر معاملہ کے شروع میں یا کسی چیز کو اٹھاتے وقت وہ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم** پڑھتی تھی۔ اس کا خاوند اس پر سخت خفا ہوتا تھا کہ یہ کیا فضول عادت ہے۔ وہ باوجود منع کرنے کے منع نہیں ہوتی تھی۔ ایک روز اس عورت نے اپنا سونے کا ہار ایک مرتبان میں رکھ کر ڈھکنا اس پر رکھ دیا۔ خاوند دیکھ رہا تھا۔ اس نے وہ ہار چرا لیا اور ڈھکنا اسی طرح بند کر دیا۔ عورت اپنا کام کاج کر کے فارغ ہوئی تو ہار اٹھانے کے لئے گئی۔ خاوند بھی سامنے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ عورت نے **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم** پڑھا اور ڈھکنا اٹھایا۔ اس برتن سے اس کو ایک ہار مل گیا۔ اس نے اسے پہن لیا۔ خاوند نے تعجب سے پوچھا کہ یہ ہار کہاں سے آیا؟ عورت نے جواب دیا کہ میں نے خود رکھا تھا۔ خاوند نے بتایا کہ وہ ہار تو میں نے چُرا لیا تھا اور وہ یہ ہے۔ خاوند سخت شرمندہ ہوا اور عورت خوش ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم شریف کو خوب عزت دی ہے۔

7۔ ایک دفعہ خاندان نقشبندیہ کے ایک بزرگ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ذرا چلنے کے قابل ہوا تو باپ نے کہا کہ اس لڑکے کو خدا کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ والدہ نے سوچ کر یہ تدبیر کی کہ دیوار میں ایک طاقچہ بنایا اور سوراخ دوسری طرف رکھا۔ بچہ جو چیز مانگتا والدہ دوسری طرف سے وہ چیز سوراخ میں رکھ کر اس کو کہتی کہ جا خدا سے

مانگ لے۔ وہ جا کر آواز دے کر خدا سے مانگتا اور وہ چیز اٹھالیتا۔ مدت تک یہی دستور ہوتا رہا۔ اب لڑکے کی یہ پختہ عادت ہوگئی۔ والدین سے کبھی نہ مانگتا بلکہ جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو اس طاقچہ میں آواز دے کر خدا سے مانگتا اور چیز اٹھالاتا۔ اتفاقاً ایک روز اس کی والدہ اس کی مٹھائی رکھنا بھول گئی۔ مگر لڑکے نے اپنے وقت پر جا کر آواز دی اور مٹھائی حسب دستور لے کر آ گیا۔ والدین حیران تھے کہ آج مٹھائی تو رکھی نہیں تو کیا ہوگا۔ جب لڑکا مٹھائی لے کر آ گیا تو انہوں نے پوچھا کہاں سے لایا۔ اس نے کہا ''جہاں سے روز لاتا ہوں''۔ والدین کو بہت خوشی ہوئی۔ بس اس کا کام بن گیا۔ یہ خدا کی طرف اور خدا اس کی طرف ہو گیا۔

یہ چند مثالیں اس لئے درج کی ہیں تا کہ اس حدیث شریف کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِی

''میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں''

انسان کی ذہنیت ایک اصلی ذریعہ ہے۔ اور ذہنیت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اسی لئے قرب اور عطا میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اگر انسان کی ذہنیت صفاتِ الٰہی پر پہنچ کر صاف ہوئی تو وہ صورتِ قرب ہوتی ہے اور اگر صفاتِ الٰہی کا انکشاف نہ ہوا صرف توجہ ہوئی تو یہ بھی قرب کی صورت ہوتی ہے مگر اس کا درجہ اَور ہے۔

درحقیقت جنگل میں کوئی زیادتی کی وجہ نہیں ہے۔ صرف ضروری چیز یہ ہے کہ انسان کے لواحقات طبعی سے کسی قدر رستگاری ہوسکتی ہے۔ انسان طبعی طور پر اپنے متعلقات کا اتنا پابند ہو جاتا ہے کہ حقیقی بیداری ناممکن ہو جاتی ہے۔ اگر انسان جنگل میں اس صورت سے جائے کہ سب لواحقین کو مردہ سمجھ لے اور اغراض و مقاصد کو فوت کر دے تو ایک کیفیتِ صعود پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کیفیت ترقی کرتی ہے اور اس کا ہر پہلو نمو اختیار کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بیج زمین میں بویا ہوا ہے۔ مگر اس پر اس قدر فضول اشیاء کا بوجھ پڑا ہے کہ اس بیج کے پودے کسی طرح اونچے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی مضبوط ہو سکتے ہیں۔ اب اگر کسی وجہ سے وہ بوجھ کم کر دیا جائے یا ہٹا دیا جائے تو زمین کی گرمی سے وہ بیج پھوٹے گا، بڑھے گا، اس کے پتے نکلیں گے، شاخیں پھوٹیں گی اور درخت بن جائے گا۔ اس پر پھل آئے گا۔ اس کے سایہ میں لوگ اور دوسری مخلوق آرام کرے گی اور جو بوجھ ابتداء میں اس سے ہٹایا گیا تھا اب وہی بوجھ بلکہ ہزار گنا بوجھ لا کر اس پر رکھو تو کچھ نقصان نہیں دے گا بلکہ کئی قسم کے بوجھ وہ خود سہارے گا۔ اگر ابتداء میں اس کا بوجھ نہ ہٹاتے تو یہ پودا سرسبز نہیں ہوسکتا تھا بلکہ مر جاتا اور کچھ نہ ہوتا۔ اسی طرح کوئی انسان عوارضاتِ طبعی کا بوجھ ہٹا کر اگر جنگل میں بیٹھ گیا تو طبع پر وہ بوجھ نہ رہا۔ اب وہ چیز جو از روئے فطرت ایک حقیقتِ نوری تھی وہ مشتعل ہو کر بالیدگی اختیار کرتی ہے حتیٰ کہ اس کی زندگی نورانی اور اعمال نورانی ہوتے ہیں۔ اب وہ اپنے عوارضات بلکہ لوگوں کے عوارضات بھی اٹھا سکتا ہے۔ یہ صورت

اکثر جنگل میں ہی پیدا ہوسکتی ہے۔اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جنگل میں بیٹھنا ہی باعثِ کامیابی ہے بلکہ کامیابی کی جو صورت ہےاس میں جنگل میں بیٹھنے سے سہولت پیدا ہوسکتی ہےاور یہی حالت مذکورہ مقصود ہے۔

دراصل انسان پوشیدہ رہ کر اپنی حقیقت کے کمالات کوظاہر کرسکتا ہے۔دنیا میں مالک الملک نے ہر قیمتی چیز کو زیادہ قیمتی بنانے کا راز مخفی رہنے میں رکھا ہے۔جواہرات ولعل زمین میں، پہاڑوں میں پوشیدہ رہ کر چمک حاصل کرتے ہیں۔جمادات مخفی رہ کر کمال حاصل کرتے ہیں۔نباتات پوشیدہ ہوکر نمو اختیار کرتے ہیں۔ہر مفید چیز پوشیدہ رہ کر مفید ہوتی ہے۔ہر زہریلی چیز پوشیدہ رہ کر زہریلی بنتی ہے۔چونکہ خدا خود پردے میں ہےاس لئے ہر چیز کی خوبی اور کمال بھی اس نے پردہ میں ہی رکھا ہے۔الغرض دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو بغیر پوشیدہ رہنے کے قیمتی خاصیات حاصل کرسکتی ہے۔اگر تفصیل لکھی جائے تو ایک کتاب درکار ہے۔

یہ نہیں کہ مطلق جنگل میں بیٹھنا یا پوشیدہ رہنا ہی ضروری ہے بلکہ کسی کی نگرانی اور کسی اصولِ یزدانی کے تحت اس کی تکمیل ہوتی ہے۔اس ضمن میں ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

سرہند شریف کی حاضری

ایک دفعہ میں لاہور آیا۔مدعا یہ تھا کہ سرہند شریف مزار اقدس پر جاؤں۔میرے ہمراہ ڈاکٹر محمد فاضل صاحب جالندھری اور دو چار دیگر افراد تھے۔ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ڈاکٹر صاحب ٹکٹ لینے کے لئے دروازے پر گئے تو ٹکٹ بابو نے کہا آج آپ ٹھہر جائیں کل چلے جانا۔اس پر ڈاکٹر صاحب کو سخت تعجب ہوا کہ بابو کا مشورہ دینے کا کیا مطلب۔ہم واپس ڈیرے پر آ گئے۔دوسرے دن گئے دوسرا بابو تھا اس نے کہا کہ دوسری گاڑی آئے گی اس کو پانی سے ٹھنڈا کرتے ہیں اور بہت آرام سے اس میں جاؤ گے۔اس گاڑی کو جانے دو۔اس تقریر میں گاڑی چلی گئی۔پھر تعجب ہوا۔ تیسرے دن پھر گئے اب ایک کی بجائے دو تین آدمی ترغیب دینے لگے کہ آج واپس جاؤ پھر کبھی چلے جانا۔ٹکٹ لینے کی کوشش بھی کی گئی مگر ٹکٹ ہی نہ ملے یہ نہایت غیر معمولی بات تھی۔میں خاموش تھا۔مگر میری طبیعت پر اثر پڑتا رہا۔ مجھے شک پیدا ہوا کہ یہ تین دن کی متواتر رکاوٹ شاید حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نامنظوری کے باعث ہےاور ہم اس قابل نہیں کہ وہاں حاضری کے لئے جائیں۔چنانچہ اپنے ڈیرے پر واپس آ گئے۔مئی 1923ء کا اواخر تھا۔آپس میں مختلف خیالات کا اظہار ہوا۔ہر شخص نے وجوہات بیان کیں مگر میری تسلی نہ ہوئی۔دوپہر کو علیحدہ علیحدہ کمروں میں سو گئے۔ جب میں اٹھا تو اپنا خواب لکھنے بیٹھ گیا۔میں نے دیکھا کہ دوسرے اصحاب بھی اسی طرح لکھ رہے ہیں اور انہوں نے بھی خواب دیکھے ہیں۔دوسرے ساتھی نے دیکھا کہ حضور والا شان باواجیؒ مظفرآباد سے آگے کالی ندی میں کھڑے ہیں اور ہاتھ میں عصا ہے جس کے آگے برچھی لگی ہوئی ہے۔اور فرماتے ہیں کہ **نظیر احمد**ؒ کو بولو کہ میرے پاس آئے میری

اجازت کے بغیر آگے نہیں جا سکتا،، اگر گیا تو اس برچھی سے اس کا کلیجہ نکال دوں گا، اس کا تعلق میرے ساتھ ہے۔ ایسا ہی خواب جناب ڈاکٹر صاحب نے دیکھا۔ میں نے خود ایک طویل خواب دیکھا۔ میں نے ایک عظیم الشان سمندر بے پایاں دیکھا اور حکم ہوا کہ اس میں تیر کر آگے جا سکتے ہو۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ جب تک تم کو اپنا پیر خواجہ نظام الدینؒ نہ لے جائے۔ جاؤ اس طرف سے درخواست کرو۔ یہ خواب بہت لمبا، ہیبت ناک اور حوصلہ فرسا تھا۔ ہیبت ناک واقعات تو یہ تھے کہ سمندر بے پایاں کی پُر زور لہریں اور ان کے اندر سے گزرنا ناممکن اور آگے جانا باعثِ ہلاکت بتایا گیا اور پیچھے آگ اور طوفان کا خطرہ نہایت عالمِ تحیر ہے۔ ناگہاں آواز آتی ہے کہ جاؤ خواجہ نظام الدینؒ کو لے آؤ کہ تم کو آگے لے جائے۔ اس سے بے حد خوشی ہوئی کہ میرے مالک (حضرت خواجہ نظام الدینؒ) مجھ کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اِس حالت میں ایک شخص نمودار ہوا۔ وہ مجھے ایک طرف لے گیا اور مجھے نظر آیا کہ زمین سے آسمان تک اونچا دروازہ ہے اس پر لکھا ہوا ہے:

هٰذَا بَابُ الْإِجَابَةِ

''یہ قبولیت کا دروازہ ہے''

میں اس کے نزدیک جا رہا ہوں اور منہ سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَلَّغَنَا اِلٰی بَابَ الْإِجَابَةِ

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں باب اجابت پر پہنچا دیا ہے''

جب دروازے کے اندر گیا تو حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں جو عبادت ہوتی ہے خواہ اخلاص سے ہو یا بغیر اخلاص کے، غلط یا صحیح وہ اس دروازے کے اندر لائی جاتی ہے اور وہ الفاظ اسمائے الٰہی کے لئے ہیں جس کی زبان سے نکلیں خواہ عبادت کی غرض سے ہوں یا نہ ہوں۔ جس طرح بھی کسی کی زبان سے نکلیں وہ خدام اس دروازے کے اندر لا کر پہنچاتے ہیں۔ اب اس کے آگے دوسرا دروازہ ہے جس پر لکھا ہے:

هٰذَا بَابُ الْإِجَابَةِ

یہ دروازہ بھی اسی طرح وسیع ہے اس میں بھی مجھ کو لے گئے اور بتلانے والے بتلا رہے ہیں کہ دنیا میں جو شخص عبادت اخلاص اور پاکیزگی سے کرے وہ اس دروازے سے اندر پہنچائی جاتی ہے۔ اب اس سے آگے تیسرا دروازہ بھی اسی طرح وسیع ہے۔ اس پر بھی وہی الفاظ لکھے ہیں۔

هٰذَا بَابُ الْإِجَابَةِ

پھر وہاں حکم ہوتا ہے کہ یہاں پر وہی چیز آتی ہے جو حالاتِ استغراق اور اخلاص میں بصورتِ حضورِ ذاتی اضطراری طور پر منہ سے الفاظ نکلیں۔ بس اس کے بعد نیند ختم ہو گئی اور جاگ اٹھا۔ اسی رات کو بواپسی گاڑی

موہڑہ شریف کوروانہ ہوا اور گھر پہنچ کر صوفی ریاض الدین کو بلوایا۔ایک فہرست تیار کی اور ستر اشخاص کی تعداد مقرر کر کے موہڑہ شریف بلائے گئے۔ یہ اشخاص بلحاظ اخلاص مندی منتخب کئے گئے۔ چنانچہ جماعت کی صورت میں درگاہ عرش اشتباء کہیاں شریف کوروانہ ہوئے۔رات موضع ''اوسیا'' میں رہے اور وہاں سے بہت سی شرائط مرتب کردہ کی پابندی اور احرام کی صورت اختیار کر کے دربار شریف میں پہنچے۔تقریباً آٹھ دن میں وہاں پہنچے۔اس طویل سفر میں یہ جماعت نازک اشخاص کی چل رہی تھی۔سوائے پانی، درخت اور پتھر کے اور کچھ نہ تھا۔عشق کی حالت میں بھوک کی نفی تھی کیونکہ ناممکن تھا کہ کوئی چیز میسر ہو۔اس لئے طمع ہی منقطع تھی۔ بدن میں استہلاک واضمحلال کی کیفیت طاری ہوکر یہ ہفتہ کئی سال کا چلّہ ہو چکا تھا۔اس سفر کی دشواری کا بیان کرنا مناسب نہیں اس قدر لکھنا کافی ہے۔صبح کو روانگی کے وقت یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ شام تک سب آدمی زندہ کسی جگہ پہنچیں گے۔ چونکہ چوہدری خوشی محمد خان ناظر صاحب وزیر اعظم ریاست کشمیر کو اس سفر کا علم تھا وہ بھی آگے تشریف لائے تھے۔مقام ٹیٹوال میں ہمارے لئے قیام فرمایا اور تحصیلدار صاحب اور وزیر زراعت صاحب کو حکم دیا کہ اس جماعت کی خدمت کریں۔مگر جماعت کی حالت بشریت سے عروج کر چکی تھی۔ وہ خود حیران ہو گئے۔البتہ ایک دن وہاں قیام رکھا۔ جب دربارِ اعظم میں پہنچے اور زیارتِ اقدس کے اندر پہنچے اور **نظیر احمد** ؒ کا سر سرکار کے قدموں میں پڑا تو نہایت بےخودی کا عالم طاری ہوا۔تمام جماعت اس محویت، غشی اور بےخودی میں پڑی رہی اور سب بے جان تھے۔زیادہ حصہ دن کا گزارنے کے بعد ہر شخص نہایت اطمینان سے اٹھتا تھا اور خوشی سے بیٹھتا تھا۔اپنی اپنی داستان جا کر کہتا تھا اور ہر شخص کا بیان تھا کہ اس قدر عنایت ہوئی اور اس قدر مہمان نوازی عالمِ بالا سے ہوئی کہ تمام تکلیفاتِ سفر بھول گئے اور ہمیشہ کے لئے خوشی اور اطمینان ہوگیا۔پھر جب بہت عرصہ کے بعد سرہند شریف جانے کا خیال آیا تو ہزارہا آدمی ہمراہ تھے۔ریل گاڑی ریزرو کرنے کی فکر کر رہے تھے مگر جب لاہور پہنچے تو ایک ریل گاڑی پر ایک آفیسر نے آکر سفید چاک سے تمام کمروں پر موہڑہ شریف، موہڑہ شریف لکھ دیا۔راستہ میں سرہند شریف تک ہر طرف پہلے سے انتظامات کا سلسلہ مکمل تھا۔دراصل سرکارِ عالیہ سے اب منظوری ہو چکی تھی۔ اس لئے اب ہر چیز ہماری مرید تھی۔مگر حقیقت واضح ہوگئی کہ دروازۂ عطا وہی ایک ہے۔سوائے اس کے سب چیز ناممکن ہے۔درحقیقت اگر بچے پر والدین کی توجہ ہو تو وہ اگر گھر سے باہر کسی جگہ کھیل رہا ہو تو اس کے لئے وہاں بھی خوراک وغیرہ روانہ کر دیتے ہیں اور اس کی نگرانی ہوتی ہے۔

صلاحیتِ حال اور صلاحیتِ نفس کی ضرورت

اسی گزشتہ دو چار سال کے عرصہ میں ایک دن بہت سے آدمی جمع تھے۔اوّل میں نے سب عورتوں کو اندر بلایا۔ بہت سی عورتیں اندر آ گئیں اور اپنی اپنی تکلیف بیان کر رہی تھیں کہ ایک عورت اس پہاڑ کی رہنے والی آئی اور چپ

بیٹھ گئی۔ یہ عورت کئی دفعہ پہلے بھی آئی تھی۔اس کی عمر تقریباً پچاس برس کی ہوگی۔رنگ اس کا سیاہ اور لباس بھی سیاہ پہنتی تھی۔عموماً گفتگو زیادہ کرتی رہتی۔ میں نے اس کو دیکھ لیا سب عورتیں فارغ ہو کر چلی گئیں۔اس نے کہا کہ مجھ کو بھی بلاؤ میں کسی کی بھیجی ہوئی ہوں۔ضروری گل (بات) خفیہ کرنی ہے۔میں نے اس کو اکیلے میں بلایا۔نزدیک آ کر اس نے کہا کہ مجھ کو ایک آدمی نے آپ کے پاس روانہ کیا ہے۔اس نے دو تین روز گزرے ایک خواب دیکھی ہے اب اس نے خواب بیان کرنی شروع کر دی۔جب گفتگو شروع کی تو اس قدر مجھ پر اثر ایک دم آ گیا کہ میں اس سرگزشت میں محو ہو گیا اور ہرگز مجھ کو یاد نہ تھا کہ میں جنگل میں ہوں یا گھر میں ہوں۔لمبی داستان اس نے بیان کر دی۔وہ داستان ایک عظیم الشان دقائق علمی پر مرتب تھی لیکن حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے ہرگز وہ علوم کسی کتاب میں نہیں پڑھے، دیکھے۔ ہم نے اس میں کچھ نہ سمجھا۔اب تو دریا در کوزہ بلکہ دنیا اور قیامت کی حقیقت چند الفاظ میں کھل گئی اور اگر وہ بیان کر بھی دی جائے تو ہرگز عالم فاضل اس کو سمجھ نہیں سکتا۔جب تک اس راستہ پر چل کر اس سمجھ پر نہ آئے جو اس کو سمجھنے کے لئے مالک نے عطا کی ہے۔نہایت ہی حیرت ہے کہ اس بوڑھی عورت کی زبان سے کس قدر دقیق علوم سکھلائے۔ ہر چیز اپنے وقت پر سمجھ آتی ہے اور ہر چیز میں صلاحیتِ حال اور صلاحیتِ نفس ضروری ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ **كُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا**۔دقیق علوم بھی اسی وقت سمجھ میں آ سکتے ہیں جب انسان میں صلاحیتِ حال اور صلاحیتِ نفس پیدا ہو چکی ہو۔'' (مؤلف)

ولی اللہ کی خدمت میں حاضری

میرے پاس ایک فوجی ملازم آتا تھا اس کے دل میں میری محبت تھی۔کچھ عرصہ کے بعد میری توجہ اس کی طرف ہوئی۔میں نے اس کو محض اس خیال سے کہ وہ بہت دُور سے آتا ہے اور اس کی خواہش ہے، نہایت تفصیلی طور پر تنہائی میں تعلیم دی اور مجاز کر کے رخصت کر دیا۔چھ ماہ کے بعد آیا اور کسی قدر پریشان تھا۔میں نے وجہ دریافت کی۔ تو اس نے کہا کہ میں نے جا کر خواب دیکھی ہے کہ ایک میدان ہے اس میں حضور سرور کائناتﷺ کا دربار ہے اور حضرت غوث الاعظم محی الدین سرکارؒ بغداد شریف کھڑے ہیں اور آپ بھی کھڑے ہیں۔سامنے بہت بڑا ایک لوہے کا کڑاہا آگ پر رکھا ہوا ہے۔اس میں گھی جوش مارتا ہے اور بے شمار لوگ آتے ہیں اور ہاتھ میں مرغ لاتے ہیں اور صاف کر کے لاتے ہیں اور آپ وہ مرغ لے کر گھی میں تل کر سرخ کر کے واپس کر دیتے ہیں کہ لے جاؤ اور وہ لے جاتے ہیں۔ اسی اثناء میں میں بھی حاضر ہوا۔میرے ہاتھ میں مرغ ذبح شدہ ہے مگر اس کے پر، پنجے، پیٹ کی انتڑیاں اور غلاظت اسی میں موجود ہے۔آپ نے وہ مرغ میرا اسی گھی میں تل کر پختہ کر کے میرے حوالے کر دیا۔میں لے گیا۔مگر حیران ہوں کہ اس میں جو چیز نکالنی تھی وہ بھی ساتھ ہی ہے۔اب یہ کیا ہوا۔اس سے تشویش ہوئی اور یہاں آ گیا۔میں نے کہا ہاں،

وہ تمہارا کام تھا تم نے جلدی کی۔

اس مثال سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اپنا مرغ کس قدر صاف کر کے گھی میں پکانا مناسب ہے۔ اندر کا سامان نہ نکالا جائے، آلائشیں ساتھ رکھ کر پکانا کس قدر غلطی ہے بلکہ پہلے غلاظت آلائش نکالنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

مولوی صاحب کا واقعہ

یہ خیال غلط ہے کہ جنگل میں جا کر چلّہ کشی ہی کافی ہوتی ہے بلکہ جنگل میں جانے کے قابل ہونا بھی بہت مشکل ہے۔ اگر ان اصولوں پر جنگل میں پہنچا ہو جو ملبوساتِ قلب کو اتارنے کے لئے مخصوص ہیں تو وہ صورت کارگر ہو سکتی ہے ورنہ زیادہ ذلیل ہونا بھی ممکن ہے۔

چنانچہ ذیل میں ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت میرہ شریف کلاں جو خواجہ صاحب تونسہ شریف کے خلیفہ تھے ان کے ایک مرید مولوی صاحب موہڑہ شریف آیا اور مجھ کو کہا کہ میں اگر چہ حضرت صاحب میرہ شریف کا مرید ہوں مگر کسی دوسرے بزرگ سے ایک چلّہ کی اجازت ہوئی ہے اور تلاش کرتا رہا کوئی جگہ اس کے مناسب نہیں مل سکی۔ آپ کے جنگل میں جو آپ نے مخصوص چلّہ بنا رکھا ہے یہ بہت موزوں ہے۔ بہمہ اوصاف موصوف ہے۔ چالیس دن کی اجازت ہو تو میں وہاں بیٹھوں گا اور چلّہ کرنا ہے۔ میں نے پوچھا تو مولوی صاحب نے کہا کہ قرآن کی ایک آیت، مخصوص طریقے سے پڑھنی ہے اور اخراجات چلّہ دو سیر دودھ یومیہ بھی مقرر کرایا جائے اور آدھا آٹا جَو اور گندم کی روٹی اور میٹھا وغیرہ۔ چنانچہ سب بندوبست کر دیا گیا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ایک چادر پختہ ضرورت ہے اس میں وہ چیز جو عطا ہوگی رکھی جائے گی۔ یہ بھی دی گئی۔ اس چیز سے مطلب اشرفیاں اور جواہرات قیمتی کا خیال تھا۔ چنانچہ چلّہ میں چالیس دن پورے ہونے پر میں خود گیا۔ آدمی ساتھ لے گیا۔ چار پائی کا انتظام کیا گیا شاید کمزور ہوں تو اٹھا کر لائیں گے۔ مگر مولوی صاحب کو دیکھا تو پہلے سے زیادہ صحت مند تھے۔ چل کر آ گئے مگر بہت خفا تھے۔ چادر خالی تھی صرف میں نے چند روپے اس میں ڈال دیئے تھے اور کچھ اشرفیاں وغیرہ نہیں ملیں۔ ایک مہینہ یہاں بہت خفا رہ کر پھر رخصت ہو گئے۔

غلط پیر کی رہنمائی

ایک شخص میر پور (آزاد کشمیر) کے علاقے کا رہنے والا تھا اور بہت نیک طبع تھا۔ اس کی جائیداد زمین اور مکان بھی تھا۔ عورت بھی تھی۔ اس کو شوق ہوا کہ کوئی شخص ایسا ملے جو خدا کی طرف کا راستہ بتا دے۔ بہت تلاش کیا۔ آخر ایک بزرگ ملے ان سے بیعت ہوا اور عباداتِ الٰہی میں مشغول ہوا۔ اپنے پیر صاحب کے حکم کی دل و جان سے تعمیل

کرتا تھا۔ پیر صاحب نے اس کو ترکِ دنیا کا حکم دیا۔ اس نے صاف دلی سے دنیا ترک کر دی۔ اگر خدا اس طرح ملتا ہے تو یہ کام ضرور کروں گا۔ زمین وارثانِ بازگشت کے حوالہ کر دی۔ مکان وغیرہ کسی کو دے دیا۔ عورت کو طلاق دے دی۔ پیر صاحب خوش ہوئے کہ اب تم کو تاثیر پیدا ہوگی اور دل منور ہوگا۔ اس کو حکم دیا کہ جنگل میں رہا کرو اور کسی غار وغیرہ میں گزارا کیا کرو۔ اس نے اسی طرح کیا، کمزور ہوگیا۔ درخت کے پتے کھا کر اٹھنے کے قابل نہ رہا۔ آخر پیر صاحب نے حکم دے دیا کہ نفس کو ذلیل کرنا اور مارنا ضروری ہے تم اس طرح کرو کہ گاؤں میں پھرا کرو، کچھ تھوڑا تھوڑا آٹا لوگوں سے مانگ لیا کرو اور جنگل میں جا کر روٹی پکا کر کھا لیا کرو اس سے نفس کی ذلت ہوگی اور قوت بھی بدن میں رہے گی تا کہ عبادت بھی کر سکو۔ اس نے قبول کیا اور ہمیشہ یہی طریقہ اختیار کیا کہ گاؤں میں جا کر آٹا مانگ کر لے جاتا اور جنگل میں جا کر عبادت کرتا۔ بہت مدت گزار دی، کئی سال گزار دیئے۔ اتفاقاً گدائی کرتا ہوا ایک مکان پر پہنچا اور وہاں سوال کیا۔ وہاں صرف ایک عورت تھی، اکیلی تھی، اس نے آٹا تھوڑا سا دے دیا۔ فقیر صاحب چلے گئے۔ جب تھوڑی دور گیا تو عورت نے اس کو آواز دی کہ فقیر ذرا واپس آؤ۔ وہ واپس آ گیا۔ عورت نے کہا بیٹھو میں تم سے دو باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ وہ بیٹھ گیا۔ عورت جا کر نزدیک کھڑی ہوئی۔ عورت نے پوچھا کہ کیا تم نے مجھ کو پہچان لیا ہے کہ نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ اس عورت نے کہا میں وہ عورت ہوں جس کو تو نے طلاق دے دی تھی اب مجھ کو تم سے اچھا خاوند مل گیا ہے۔ میں صرف دو باتیں کروں گی، اس کا جواب دو۔ اس نے پوچھا کہ یہ تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ یہ زنبیل ہے، اس میں میں آٹا ڈالتا ہوں۔ یہ دوسری کیا چیزیں ہیں؟ یہ بالٹی ہے، یہ لوٹا ہے، یہ رکابی ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ گودڑی ہے سردی ہو تو اوپر کرتا ہوں گرمی ہو تو نیچے ڈال کر سوتا ہوں۔ عورت نے کہا ذرا انصاف سے غور کرو کہ تمام دنیا کا سامان تیرے پاس موجود ہے بستر ہے، برتن ہے، غلّہ ہے، مصالحہ ہے، کھاتا بھی ہے، سوتا بھی ہے اب صرف میں ہی دنیا تھی کہ مجھ کو طلاق دے دی تھی۔ ذرا غور کر کے جواب دو۔ تمہارا پیر ناقص ہے، بے وقوف ہے اور جاہل ہے وہ کچھ نہیں جانتا۔ یہ باتیں سن کر غور کے بعد فقیر صاحب نے کہا کہ بارہ سال کے بعد آج سمجھ آ گئی بے شک میرا پیر ناقص ہے۔ اب میرا پیر تو ہے۔ اُسی وقت سب سامان پھینک دیا اور شہر چلا گیا اور اصلی راستہ کی تلاش میں پڑ گیا۔ آخر کار وہ حضرت میاں محمد بخشؒ کھڑی شرف کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔